مصنفہ

سعادت یار خاں رنگین دہلوی

مرتبہ

سید مسعود حسن رضوی ادیب ایم۔ اے

باہتمام محمد جواد مالک و مہتمم مطبع

در نظامی پریس وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ طبع گردید
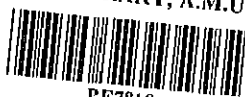
ہدیہ محبت بخدمت جناب ڈاکٹر رام بابو سکسینہ صاحب [illegible]
سید مسعود حسن رضوی
۹ اکتوبر ۵۴ء

فہرست
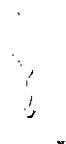
اس کتاب کے مصنف سعادت یار خاں رنگین سید انشا کے گہرے دوست اور دہلی کے مشہور شاعروں میں ہیں۔ دیباچہ کتاب میں لکھتے ہیں کہ "۱۰ رجب ۱۲۳۵ھ کو لکھنؤ میں چند اعزا اور احباب خاص کے مجمع میں اپنی اور مختلف شاعروں کی گزشتہ صحبتوں کا ذکر کر رہا تھا اور بیان کر رہا تھا کہ فلاں شہر میں فلاں شخص سے یہ گفتگو ہوئی اور فلاں سے یہ۔ میرے دوست مرزا نسیم بیگ جوان نے فرمایا کہ اگر اس تقریر کو ایک رسالہ کی شکل میں لکھ ڈالو تو ایک یادگار باقی رہ جائے گی۔ میر انشاء اللہ خاں نے بھی ان کی تاکید کی اور تمام اہل صحبت بھی مصر ہوئے آخر میں نے ان کی خاطر سے چند مجلسیں لکھیں۔

اس کتاب کا نام سید انشاء اللہ خاں کا تجویز کیا ہوا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ مصنف کے نام اور کتاب کے موضوع کے اعتبار سے اس سے بہتر نام ملنا مشکل تھا۔

"مجالس رنگین" نہایت دلچسپ اور پُر از معلومات کتاب ہے۔ اس میں بہت سے ان شاعروں کا حال ملتا ہے جن کے بیان سے اکثر تذکرے خالی ہیں اور چونکہ رنگین کے تمام بیانات چشم دید ہیں لہذا مستند بھی ہیں۔ جتنے آدمیوں کا ذکر آیا ہے ان کی فہرست مجلسوں کے حوالوں کے ساتھ کتاب کے آخر میں درج ہے

اس کتاب سے رنگین کے زمانہ کے مذاق شعر۔ اس دور کے لوگوں کی طبیعت۔ اور اس عہد کی معاشرت کے بعض پہلوؤں پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

خود رنگین کے بارے میں بھی اس کتاب سے بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں یہ باتیں کتاب بھر میں بکھری ہوئی ہیں۔ ان کو یکجا کرنے سے ذیل کے نتائج حاصل ہوتے ہیں۔

سعادت یار خاں رنگین کے والد محکم الدولہ طہماسپ بیگ خان بہادر اعتقاد جنگ ایک معزز امیر تھے۔ ان کی جاگیر بہت بڑی تھی۔ بادل کا پرگنہ چوراسی گاؤں کے ساتھ ان کی جاگیر میں شامل تھا۔ سنہ ۱۲۰۳ھ میں شاہ عالم بادشاہ دہلی نے ان کو اپنا ایلچی بنا کر تیمور شاہ والی کابل کے پاس بھیجا تھا۔ اس واقعے کی تفصیل آگے درج کی جائے گی۔ رنگین خود بھی معزز آدمی تھے۔ بڑے بڑے نوابوں اور منصب داروں سے بے تکلف دوستی اور برادرانہ تعلقات تھے۔ نواب نجف قلی خاں نے جب نواب مرزا جعفر کو کانوڈے سے دہلی بھیجا تو رنگین کو بھی دو سو سواروں کے ساتھ ان کے ہمراہ کر دیا۔ جب یہ لوگ ریواڑی کے شہر میں پہنچے تو وہاں کے راجہ مترسین نے ان کی بڑی پر تکلف دعوت کی۔ لشکر نارنول میں رنگین نواب اسمٰعیل خاں بہادر کے ساتھ تھے۔ نواب غلام قادر خاں فرخ رنگین کے ستار بول بھائی تھے اور انھیں کی صحبت میں رنگین کو شعر گوئی اور شعر خوانی کا شوق پیدا ہوا تھا۔

رنگین شاہ حاتم کے شاگرد تھے۔ بچپن سے بے جھجک اور بیباک تھے
اور بقول خود ان کے مزاج میں چالاکی زیادہ تھی اور شعور کم۔ چنانچہ ایک دن
شاہ حاتم نے اپنے شاگردوں اور ارادت مندوں کے مجمع میں اپنا یہ مطلع پڑھا ؎

سر کو پٹکا ہے کبھو سینہ کبھو کوٹا ہے — رات ہم ہجر کی دولت سے مزا لوٹا ہے

رنگین نے سنتے ہی کہا کہ اگر یوں ہوتا تو بہتر تھا ؎

سر کو پٹکا ہے کبھو سینہ کبھو کوٹا ہے — ہم نے شب ہجر کی دولت سے مزا لوٹا ہے

لوگوں کو رنگین کی یہ گستاخی بری معلوم ہوئی۔ لیکن شاہ صاحب نے بڑی
تعریف کی اور کہا کہ میں اپنے دیوان میں اس مطلع کو یوں ہی لکھوں گا۔ اس واقعے
سے ضمناً یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ اس زمانہ میں لوگ علامت فاعل (نے) کے
حذف کو خلاف فصاحت سمجھنے لگے تھے۔ اس خیال کی تائید اس بات سے
بھی ہوتی ہے کہ رنگین نے میر سوز کے اس مصرع پر بھی، ع

"میں کہا دل میں درد ہے میرے"

یہ اعتراض کیا تھا کہ "میں کہا" غیر فصیح ہے۔

رنگین کوئی عالم و فاضل شخص نہیں تھے اور ان کو عالمیت کا دعویٰ بھی نہ تھا
چنانچہ خود کہتے ہیں ۔

"اگرچہ کمان ہیچ کمالے ندارد اما از فیض صحبت بزرگاں فی الجملہ از شعر و شاعری
بہرہ بر داشتہ"

مرزا نعیم بیگ جوان نے جب یہ کتاب لکھنے کی فرمایش کی تو رنگین نے انکو یہ جواب دیا:

"علم اصلا ندارم اگر نوشتم چہ تکلف پیدا خواہد کرد۔ نظم من چہ بیست کہ نثر خواہد بود"

اُس زمانہ کا ہر شریف آدمی تھوڑی بہت فارسی ضرور پڑھتا تھا چنانچہ رنگین بھی فارسی جانتے تھے۔ فارسی میں شعر بھی کہتے تھے۔ مگر فارسی نثر اچھی نہیں لکھتے تھے اور ان کو خود بھی اس بات کا احساس تھا۔ ان کی نثر میں کوئی حسن یا ادبیت تو خیر ہے ہی نہیں اس میں فارسیت کی روح بھی مفقود ہے۔ ان کا انداز بیان اور پرواز خیال دونوں بالکل ہندی ہیں۔ وہ سوچتے اُردو میں ہیں اور لکھتے فارسی میں ہیں۔ اسی لیے گو الفاظ سب فارسی ہیں مگر جملوں کی ساخت اُردو ہے اس کتاب کے پڑھنے والوں کو اسے اُسی نظر سے پڑھنا چاہیے جس نظر سے یہ لکھی گئی ہے یعنی "مطلب از عبارت نیست مدعا زدعاست"۔

"مجالس رنگین" یقیناً نثر کی پہلی کتاب ہے جو رنگین کے قلم سے نکلی اور اُن کی تصنیفات کی طویل فہرست پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی نثر کی آخری کتاب بھی ہے۔ ان کی کسی دوسری نثر تصنیف کا پتہ اب تک نہیں چلا۔ ان کی فارسی نظم بھی سیدھی سادھی ہوتی ہے۔ چند غزلیں اس کتاب میں جا بجا درج ہیں۔ اُن سے ان کی فارسی شاعری کا انداز معلوم ہو سکتا ہے۔

رنگین نے اپنا تخلص اپنی طبیعت کے مناسب رکھا تھا وہ ایک رنگین مزاج زندہ دل۔ یار باش۔ آزاد طبع حسن پرست اور عاشق مزاج آدمی تھے۔ (دیکھو

مجلس ۱۹ و ۴۰ و ۴۸ و ۵۰) مگر اسی کے ساتھ خوددار بھی تھے اور اپنے خاص احباب یا نہایت خاص لوگوں کے سوا ہر شخص کے یہاں جانا آپ پسند نہیں کرتے تھے۔
(دیکھو مجالس ۳۸ و ۴۲)

نواب غلام قادر خاں فرخ رنگین کے بڑے گہرے دوست تھے۔ لڑکپن میں ان دونوں نے اپنی اپنی پگڑیاں بدلی تھیں۔ یہ اردو کے اچھے شاعر تھے۔ انھیں کی صحبت میں رنگین کو شعرخوانی اور شعرگوئی کا شوق پیدا ہوا تھا۔ رنگین شاہ حاتم سے اصلاح لیتے تھے اور شاہ صاحب کی رائے ابتدا ہی میں یہ تھی کہ کچھ مشق کے بعد یہ بہت ترقی کریں گے۔ رنگین نہایت زود گو تھے اور اسی زودگوئی کی بدولت بہت سی کتابیں تصنیف کر ڈالیں۔ مگر ان کے کلام میں حقیقی شاعری بہت کم ہے زیادہ تر ان کی توجہ محاورات کی درستی، عبارت کی چستی اور الفاظ کی نشست وغیرہ کی طرف رہتی تھی۔ ایک غزل اس شرط کے ساتھ کہی کہ حروف تہجی میں سے ترتیب وار ایک ایک حرف سے دو دو لفظ شروع ہوں۔ قافیہ اور ردیف کو اس شرط سے مستثنیٰ کر دیا تھا۔ یہ غزل مجلس بست و دوم میں درج ہے۔ باوجود انتہائی زودگوئی کے اس غزل کی تصنیف میں تین مہینے فکر کرنا پڑی۔ لیکن سچ پوچھیے تو ان کی یہ محنت "کوہ کندن و کاہ برآوردن" کا مصداق ہے۔ شاعری سے تو اس کو کوئی علاقہ نہیں البتہ الفاظ کے استعمال پر قدرت حاصل کرنے کی ایک اچھی مشق ہے۔

اختلاف مذاق ہر زمانہ میں رہا ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ رنگین کے زمانہ میں بھی کوئی

صاف شعر پسند کرتا تھا کوئی دقیق - خود رنگین کا خیال یہ تھا کہ صاف شعر اچھا ہوتا ہے اس لیے کہ وہ عام فہم اور خاص پسند ہوتا ہے - اس کے علاوہ صاف شعر میں محاورے اور اصطلاح کی غلطی اور کلام کی مہملیت چھپ نہیں سکتی - اور اسکی اچھائی برائی جلد معلوم ہو جاتی ہے - اس کے خلاف دقیق شعر میں اگر کوئی قباحت بھی ہوتی ہے تو عام لوگ اپنے فہم کا قصور سمجھکر خاموش ہو رہتے ہیں اور خاص لوگ بھی شبہے میں پڑ جاتے ہیں - اسی لیے صاف شعر کہنا دقیق شعر کہنے سے زیادہ مشکل ہے -

رنگین توارد اور سرقے کی بحث کو فضول سمجھتے تھے - اُن کا خیال یہ تھا کہ مضمون کو جو شخص خوبی کے ساتھ باندھ دے وہی اسکا مالک ہے - یعنی وہ مضمونِ شعر کو انداز بیان کے مقابلہ میں کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے -

رنگین کو میر حسن کی مثنوی اسقدر پسند تھی کہ وہ پسندیدگی کو لفظ عشق سے ظاہر کرتے ہیں - انھوں نے اس مثنوی کو نہایت تحقیق و تصحیح کے بعد اپنے ہاتھ سے نقل کیا تھا - پھر بھی چند مقامات پر کچھ شبہے رہ گئے تھے جن کو انھوں نے فیض آباد میں مصنف کے بیٹے میر خلیق سے پوچھکر دور کرنا چاہا تھا جن شعروں میں رنگین کو شبہ تھا وہ یہ ہیں ؎

مخزنی جو اُدھر سے اک جفت کفش
نہ وہ صفت یا بلکہ با صفت کفش

کہا اس نے اس سے کہ سچ مچ ہے یہ
دیا چھیڑنے کو مرے کچھ ہے یہ

کھڑے ارنے ہوتے تھے سر جوڑ جوڑ
کہ جی کون دیتا ہے بد بد کے ہوڑ

سپو تجھ نقل کرتے نہیں لگتی یا د
نہو تجھ سے مایوس امید وار

ان میں سے پہلے شعر کے معنی رنگین کی سمجھ میں نہیں آئے تھے اور باقی شعروں کے قافیے مشتبہ معلوم ہوتے تھے۔

میر سوز کی شاعری رنگین کو پسند نہ تھی۔ مگر اُن کی بزرگی کا لحاظ کرتے تھے۔ رنگین نے بہت سے شاعروں کا ذکر کیا ہے لیکن صرف میر کو "حضرت میر تقی صاحب" لکھا ہے۔ اس عزت سے کسی دوسرے شاعر کا نام نہیں لیا ہے۔ مگر اعتراض سے اُن کو بھی نہ چھوڑا۔ اُن کو میر کے کلام پر خاص اعتراض یہ تھا کہ وہ لفظوں کو تنگی سے نظم کرتے ہیں مثلاً ؎

سارے رند اوباش جہاں کے تجھ سے سجود میں رہتے ہیں
بانکے ترچھے ٹیڑھے تیکھے سب نے تجھ کو امام کیا

کیسا کعبہ کس کا قبلہ کون حرم کیسا احرام
کوچے کے تیرے باشندوں نے سب کو یہیں سے سلام کیا

رنگین سید انشا کو باکمال استاد سمجھتے تھے اور اُن کی شاعری سخن فہمی اور انتخاب الفاظ کے قائل تھے (دیکھو مجلس بست وچہارم)

رنگین کو بدیہہ گوئی میں کمال حاصل تھا اور ان کے ہمعصر بھی ان کے اس کمال کے معترف تھے۔ یہاں اُن کی بدیہہ گوئی کی مثالیں پیش کرنا ضروری نہیں معلوم ہوتا کتاب کا ہر ورق اُن کے اس وصف پر شاہد ہے۔

عیوب کلام پر رنگین کی نظر فوراً پڑتی تھی۔ کسی کے کلام پر اعتراض کر دینا تو کوئی

بڑا مشکل کام نہیں ہے۔ مگر رنگین میں کمال یہ تھا کہ ادھر اعتراض کیا اور اُدھر اصلاح دیکر شعر کو درست کر دیا یا اُس سے بہتر شعر فوراً کہدیا۔ وہ اعتراض کرنے میں بڑے بیباک تھے لیکن بزرگوں کے کلام پر اعتراض کرنا خلاف ادب سمجھتے تھے۔ پھر بھی اگر ضرورت پڑ جاتی تھی تو اعتراض کرنے سے باز نہ رہتے تھے۔ اپنے ہمعصروں کے علاوہ شاہ حاتم میر سوز۔ مرزا سودا۔ میر تقی میر کے کلام پر بھی جا بجا اعتراض کیے ہیں۔ ایک مرتبہ سبحان قلی بیگ راغب کے اصرار سے رنگین نے میاں نصیر کے ایک مطلع میں ایک لفظ بدل دیا۔ اس کی خبر میاں نصیر کو پہونچی تو وہ رنگین سے آزردہ ہوگئے اور بڑی مشکل سے ایک مدت کے بعد صفائی ہوئی (دیکھو مجلس یازدہم)

رنگین ریختی کے موجد تھے۔ بعض لوگوں نے عادل شاہی دور کے ایک قدیم دکنی شاعر ہاشمی بیجاپوری کو ریختی گو کہا ہے۔ ہاشمی غزل میں ہندی شاعری کے طرز پر عورت کا عشق مرد کے ساتھ دکھاتا تھا لیکن ریختی حقیقت میں ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں عورتوں کی زبان اور اُن کے مخصوص محاورات استعمال کیے جائیں۔ اس تعریف پر نظر رکھکر ہاشمی دکنی کو ریختی گو کہنا مشکل ہے۔ رنگین نے ریختی کا ایک پورا دیوان تصنیف کیا تھا جس میں قصیدے۔ مثنویاں۔ غزلیں۔ رباعیاں۔ قطعے۔ مخمس اور مستزاد بھی تھے۔ اُن کی ریختی کی غزلیں ان کی زندگی ہی میں دور دور تک مشہور ہوگئی تھیں اور خوشی کے جلسوں میں گائی جاتی تھیں۔

ریختی کے علاوہ ہزل کہنے کا بھی ملکہ تھا۔ مگر ہزل میں اکثر فحش بھی شامل کر دیتے تھے

ان کی چند ہزلیں اور چند متفرق ہزلیہ اشعار اس کتاب میں موجود ہیں۔ ان میں
جہاں کہیں فحش الفاظ تھے وہ حذف کرکے ان کی جگہ نقطے دیدیے گئے ہیں۔

رنگین کو ہندی شاعری میں کچھ زیادہ دخل تو نہ تھا لیکن کبھی کبھی کبت اور دوہے بھی لکھ لیتے تھے

رنگین کا حافظہ بہت قوی تھا اور ہزاروں شعر یاد تھے۔ ایک مرتبہ اُنھوں نے اپنے شاگردوں کے
بہت سے شعر زبانی پڑھکر سنا دیے یہ تمام شعر جو تعداد میں ۹۴ ہوتے ہیں آخری مجلس میں درج ہیں

رنگین منصف مزاج آدمی تھے۔ جہاں وہ دوسروں کے کلام پر بے دھڑک اعتراض کر دیتے
تھے وہاں اپنے کلام پر اعتراض سن بھی سکتے تھے۔ صحیح اعتراض کو تسلیم کر لیتے تھے۔ اور اگر
کوئی مناسب اصلاح دیتا تو اُسکو مان بھی لیتے تھے۔ اگر کسی کا شعر اُن کے شعر سے اچھا ہوتا
تھا تو اسکو تسلیم کر لیتے تھے۔ لیکن صاف گو اتنے تھے کہ اگر اپنے شعر کو کسی کے شعر سے
بہتر سمجھتے تھے تو اُس کے منھ پر صاف صاف کہد ینے میں تامل نہ کرتے تھے۔

رنگین نے ہندوستان کے اکثر شہروں کی سیر کی تھی۔ جن شہروں کا ذکر اس
کتاب میں آیا ہے انکی فہرست کتاب کے آخر میں درج ہے۔ مکہ کے سفر کا بھی ارادہ کیا
تھا اور کلکتہ سے جہاز پر سوار ہوئے تھے۔ مگر اُس زمانہ میں بحری سفر میں ہزاروں
مصیبتوں کا سامنا ہوتا تھا۔ رنگین کو کھانے پینے کی بھی بہت تکلیف ہوئی اور
وہ خارش کے مرض میں مبتلا ہو گئے۔ کلکتہ سے مدراس تک پہونچتے پہونچتے
ایسے اپنی زندگی سے بیزار ہو گئے کہ یہ مطلع اپنے حسب حال کہا۔

دم آیا ناک میں اس آہ اور زاری کے جینے سے طبیب و موت ہی بہتر ہے بیماری کے جینے سے

جہاز کے ناخدا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ مکہ نہیں بلکہ بصرہ جائیگا۔ جو لوگ حج کے ارادے سے سوار ہوئے تھے اُنھوں نے بہت خوشامد کی تو اُس نے انکو پھر کلکتہ روانہ کر دیا۔ رنگین کو جہاز کے سفر میں جتنی تکلیف ہوئی تھی وہ ان کے اس جملے سے ظاہر ہوتی ہے :-

"حق تعالیٰ عذاب جہاز بکسے نصیب نہ کناد"

لکھنؤ میں رنگین اور انشا دونوں شاہزادہ مرزا محمد سلیمان شکوہ سلیمان کی سرکار میں ملازم تھے اور دونوں میں بیحد ربط ضبط تھا چنانچہ انشا نے یہ شعر اُسی زمانہ کی یاد میں کہا ہے ؎

عجب رنگینیاں ہوتی تھیں تب باتو میں اے انشا ؔ ہم مل بیٹھتے تھے جب سعادت یار خاں اور ہم

اس کتاب میں جہاں کہیں "مرشد زادہ" "یا مرشد زادہ آفاق" کے الفاظ آئے ہیں وہاں یہی شاہزادہ مرزا سلیمان شکوہ مراد ہیں۔

آخری مجلس میں رنگین نے اپنے دس شاگرد بتائے ہیں اور ان میں سے نو کے نام بھی دیے ہیں جو ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

(۱) میر سید علی غمگین (۲) بسنت سنگھ نشاط۔
(۳) آفتاب خاں منیر۔ (۴) محمدی خاں (تخلص نہیں دیا)۔
(۵) راجہ کدارناتھ نسیم۔ (۶) راجہ تہنکرناتھ صبا۔
(۷) ایک عورت چپناں تخلص۔ (۸) آدم بیگم بیگم۔

(۹) عزیز طوائف عزیزیہ

اس کتاب میں رنگین کی تین اور تصنیفوں کا ذکر آیا ہے جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) مثنوی شہزادہ مہ جبین ورانی سری نگر نازنین - یہ اردو زبان میں ایک عشقیہ مثنوی ہے اس کے چند شعر مجلس دوم میں نقل کیے گئے ہیں۔

(۲) مثنوی تاجر اصفہانی - یہ مثنوی فارسی زبان میں ہے اور سبحان قلی بیگ راغب کی فرمایش سے تصنیف کی گئی تھی اسکے چند شعر مجلس بست وسوم میں درج ہیں۔

(۳) ایجاد رنگین - اس میں بہت سی حکایتیں ہیں جو اردو میں نظم کی گئی ہیں مجالس رنگین میں بعض حکایتوں کی شان نزول متفرق مقامات پر درج ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تینوں کتابیں مجالس رنگین سے پہلے تصنیف ہو چکی تھیں رنگین بہت سی کتابوں کے مصنف تھے انکی تصنیفات کا اچھا خاصہ ذخیرہ لندن میں انڈیا آفس کے کتبخانہ میں محفوظ ہے۔ فہرست تصانیف مقدمہ کتاب کے بعد لگا دی گئی ہے۔

رنگین کے بارے میں اس کتاب سے جو کچھ معلوم ہو سکتا ہے وہ لکھا جا چکا۔ اب وہ متفرق باتیں لکھی جاتی ہیں جن کا ذکر صرف ضمناً آگیا ہے اس لیے ان کے نظر انداز ہو جانیکا خوف ہے ان باتوں کے ذکر میں کوئی خاص ترتیب ملحوظ نہیں رکھی جا سکتی۔

(۱) ایک دستہ فوج میں بارہ ہزار سوار ہوتے تھے اور ایک کمپو میں سات آٹھ ہزار سپاہی ہوتے تھے۔

(۲) رنگین کے زمانہ میں امیروں کے یہاں پر تکلف دعوتوں کے بعد ناچ گانا بھی ضرور ہوتا تھا۔

(۳) اس زمانہ میں نواب آصف الدولہ فرمانروائے اودھ کی شاعری کی شہرت دور دور تھی۔ اُن کی غزلیں اتنی مقبول تھیں کہ ارباب نشاط ان سے خوشی کی محفلیں گرم کرتے تھے۔

(۴) میموں یعنے انگریز عورتوں کو اس زمانہ کے لوگ بی بی صاحب کہتے تھے۔

(۵) اس زمانہ میں دستور تھا کہ جب کسی گہرے دوست کو اپنا بھائی بنانا چاہتے تھے تو اپنی پگڑیاں بدل لیتے تھے۔

(۶) اس زمانہ میں شاعری کا بڑا چرچا تھا۔ دہلی کے شاعروں کو خاص اعزاز و امتیاز حاصل تھا۔ لوگ میر اور سودا کی شاعری کے بہت معترف تھے۔ میاں نصیر کی مشاقی کا سکہ بھی دلوں پر بیٹھا ہوا تھا اور بعض لوگوں کا خیال تھا کہ اردو شاعروں میں تہ دار۔ دقیق اور مشکل شعر کہنے والا میاں نصیر کا سا کوئی اور نہیں ہے۔

(۷) اس زمانہ میں جہاز پہ سفر کرنیوالوں کو بڑی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ رنگین نے اس وقت کے جہازوں کی شکل صورت۔ لمبائی۔ چوڑائی وغیرہ کا تفصیلی ذکر مجلس پنجاہ و ہفتم میں کیا ہے۔

(۸) تیمور شاہ والیٔ کابل نے ۱۲۰۰ھ میں اسد یار خاں دُرّانی کو اپنا ایلچی بنا کر تحفے تحائف ساتھ کر کے شاہ عالم بادشاہ دہلی کے پاس بھیجا۔ وہ تین مہینے تک دہلی میں مقیم رہے

جب رخصت ہونے لگے تو شاہ عالم نے رنگین کے والد طہماس بیگ خاں کو اپنی طرف
سے ایلچی بنا کر اس ملک کے تحفوں کے ساتھ انکے ہمراہ کابل بھیجا۔ بادشاہ نے طہماس بیگ
خاں کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ مہاراجہ پٹیل بہادر کے پاس ہوتے ہوئے جائیں جو اس
زمانہ میں دو لاکھ سواروں کے ساتھ راجپوتانہ کی مہم میں مصروف تھے ۔ اس سفر میں
رنگین اور انکے تین بھائی محمد یار خاں۔ حق وردی خاں ۔ اور خدا وردی خاں بھی
اپنے والد کے ہمراہ تھے ۔ رنگین لکھتے ہیں کہ جب ہم لوگ دہلی سے روانہ ہو کر کوٹا بوندی
کے نواح میں پہونچے تو دیکھا کہ تمام ملک مرہٹوں کی تاخت سے بیچراغ ہو گیا ہے
اور ہزاروں مرہٹہ سوار قزاقی کر رہے ہیں ۔

مجالس رنگین کا جو نسخہ میرے کتبخانہ میں ہے وہ سنہ ۱۲۶۷ھ میں "مطبع محمدی"
میں چھپا تھا ۔ ایک نسخہ محترمی جناب پنڈت منوہر لال صاحب زتشی کے کتبخانہ میں
بھی موجود ہے مگر وہ بھی اسی مطبع اور اسی سنہ کا چھپا ہوا ہے ۔ لندن میں "انڈیا آفس"
کے کتبخانے میں اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود ہے
جس کی تاریخ تحریر ۵ جمادی الاولی سنہ ۱۲۴۹ھ ہے ۔ ایک قلمی نسخہ اور بھی ہے مگر اُن تک
میری رسائی نہیں ۔ بہرحال اسکا کوئی دوسرا ایڈیشن یا کوئی قلمی نسخہ مجھے دستیاب نہیں
ہوا ۔ اس لیے اسکا مقابلہ نہیں کیا جا سکا ۔ لیکن یہ نسخہ بہت صاف خوشخط اور صحیح
چھپا ہوا ہے ۔ ایسے مقامات جو کسی قدر مشتبہ ہیں دو تین سے زیادہ نہیں ہیں ۔
مجلس بست و یکم میں "بادشاہ عالم شاہ" چھپا ہوا تھا ۔ موجودہ ایڈیشن میں اس

کھلی ہوئی غلطی کو دور کر دیا اور اُس کی جگہ "شاہ عالم بادشا" لکھدیا ہے بعض اشعار میں سے فحش الفاظ نکال کر انکی جگہ نقطے لگا دیے ہیں اور تہذیب کتابت زمانۂ حال کے مطابق کر دی ہے۔ اس کے علاوہ متن کتاب میں کوئی تغیر نہیں کیا گیا ہے

سید مسعود حسن رضوی۔ ادیب

۱۴ اگست سنہ ۱۹۲۹ء

تصنیفاتِ رنگین

رنگین بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ انھوں نے اپنی تصنیفات کو کئی مجموعوں میں تقسیم کرکے ہر مجموعے کا ایک نام رکھ دیا تھا۔ مثلاً "مثلث رنگین" "خمسۂ رنگین" "شش جہت رنگین" "سبعہ سیارہ رنگین" "نورتن رنگین"۔ اُن کی اکثر کتابیں خود اُن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی لندن میں "انڈیا آفس" کے کتب خانہ میں موجود ہیں اُنکی فہرست ذیل میں درج کیجاتی ہے

(۱) دیوان ریختہ۔ پہلا دیوان

(۲) دیوان ریختہ۔ دوسرا دیوان

(۳) دیوان آمیختہ۔ ہزلیات

(۴) دیوان انگیختہ۔ ریختی

(۵) مجموعۂ رنگین۔ سات زبانوں میں سے کے قصائد و غزلیات وغیرہ کا مجموعہ۔

(۶) مجالس رنگین

(۷) امتحان رنگین

(۸) اخبار رنگین چشم دید واقعات نظم ہیں۔

(۹) ایجاد رنگین۔ حکایات منظوم

(۱۰) عجائب و غرائب رنگین

(۱۱) شہر آشوب۔

(۱۲) کہاوتہاے رنگین ۔
(۱۳) حکایات رنگین
(۱۴) چہار چمن رنگین ۔ اس کتاب میں چار باب ہیں
اول در معاد ۔ دوم در معاش سوم در ظرافت
چہارم در تصوف ۔
(۱۵) نظم رنگین ۔ سو حکایتوں کا مجموعہ ۔
(۱۶) داستان رنگین ۔ سرگزشت آغا عزیز
سوداگر گجرات ۔
(۱۷) جنگ نامۂ رنگین ۔
(۱۸) نصاب رنگین ۔
(۱۹) مثنوی فارسی بطرز مثنوی مولانا روم
(۲۰) تصنیف رنگین
(۲۱) گلدستۂ رنگین ۔

(۲۲) سبحۂ رنگین ۔
(۲۳) رنگین نامہ ۔
(۲۴) ساقی نامۂ رنگین ۔
(۲۵) تجربۂ رنگین ۔
(۲۶) کلام رنگین ۔
(۲۷) فرس نامۂ رنگین ۔ جس کا دوسرا
نام "اسپ نامہ" ہے ۔
(۲۸) قوت الایمان ۔ عقائد اسلام میں ۔
(۲۹) قصیدہ قادریہ کا منظوم ترجمہ ۔
(۳۰) قصیدہ "بانت سعاد" کا منظوم
ترجمہ ۔
(۳۱) سودا کا ایک قصیدہ رنگین کی اصلاح
و ترمیم کے ساتھ ۔

ان کتابوں کے علاوہ ایک مجموعۂ انتخابات بھی ہے جس میں رنگین کی کئی کتابوں کے انتخابات کے علاوہ ایک مثنوی بنارس کی تعریف میں اور مفتوں، نثار، میر اور ذوق کے پانچ مطلعوں کی تضمینیں بھی شامل ہیں ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد حمد واور داداور نعت احمد مختار صلی اللہ علیہ وآلہ الاطہار واصحابہ الکبار این چند
نکات خادم الشعرا سعادت یار خاں رنگین ولد محکم الدولہ طہماس بیگ خاں بہادر
اعتقاد جنگ بعرض تسطیر درآورده نارسائی ذہن بر مبصران نقود معانی روشن کرد
واگرچہ گمان ہیچ کمالے ندارد اما از فیض صحبت بزرگاں فی الجملہ از شعر وشاعری
بہرہ برداشتہ بقول حضرت سعدیؒ۔ نظم

گلے خوشبوے در حمام روزے — رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری — کہ از بوے دلاویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم — ولیکن مدتے با گل نشستم
کمال ہمنشیں در من اثر کرد — وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

روزے از روزہا در عہد شاہ عالم بہادر پادشاہ عالم غازی ۱۲۱۵ھ مطابق ہجری
دوازدہ صد وپانزدہ بتاریخ ہفدہم رجب در لکھنؤ بندہ ومرزا نعیم بیگ صاحب
کہ جوان تخلص میفرمایند وبسیار دوست بندہ اند وبرادر صاحب مہربان انشاء اللہ خان صاحب

کہ انشا تخلص می فرمایند و برادر خواندۂ بندہ اند و نواب معتمد الدولہ صوفی آقا یار بیگ خاں بہادر شہامت جنگ کہ برادر کلاں حقیقی بندہ اند و مرزا حاجی بیگ صاحب میرگرائی صاحب وغیرہ باہم نشستہ بودیم بندہ ذکر صحبتہائے گذشتہ کہ با شعرا اتفاق افتادہ بود بفصاحت کلامی بیان می نمود کہ در فلاں مکان چنیں اتفاق شدہ و در فلاں شہر ایں واردات گذشتہ بود مرزا نعیم بیگ صاحب از راہ مہربانی فرمودند کہ اگر ایں تقریر را مع نظم و نثر بر چند اوراق بر نگارند یادگار ، بماند چرا کہ بفضل الٰہی نقادی فکر ایشاں بآں مرتبہ رسیدہ کہ در کلام اکثر دخل معقول را سزاوار شدند و قدرت بدیہہ گوئی زیادہ از حد پیدا کردہ اند گفتم مرزا صاحب علم اصلا ندارم اگر نوشتم چہ تکلف پیدا خواہد کرد نظم من چہ حیثیت کہ نثر خواہد بود بقول فردوسی طوسی ؎

تو کارِ زمیں را نکو ساختی   کہ با آسماں نیز پرداختی

فرمودند کہ در نظم خود نامے پیدا کردہ اند نثر ہم بنویسند مطلب از عبارت نیست مدعا از مدعا ست بقول سعدی :-

وصف ترا گر کنند ور نہ کنند اہل فضل   حاجت مشاطہ نیست روی دلارام را

گفتم شوق شعر البتہ دارم لیکن مزاج بطرف باریکی مائل افتادہ آنچہ کہ خود نظم کردہ ام ہر گاہ بچشم باریکی و نگاہ عداوت غور مینمایم بیشتر بے معنی و پوچ معلوم میشود و صد ہا قباحت دست بستہ حاضر می گردند کاش ایں قادر سعی و نگاہ عداوت صرف کلام خود سازم بقول شخصے کہ گفتہ :-

عیوب این و آں چوں روز روشن بود بر پیشم   چو دیدم عیب خود بینی ببستم چشم و شب کردم

میر انشاء اللہ خاں فرمودند کہ ضرور باید نوشت و نام این نسخہ مجالس رنگین باید نوشت ہر گاہ ہر یک مجوز این امر گردید ناچار بپاس خاطر آنہا چند مجلس از نظم و نثر بہ نوک قلم در آوردہ نام این نسخہ مجالس رنگین نہادم توقع کہ پسند رای راست پسنداں گردد

مجلس اوّل (در شاہ جہان آباد)

از پنجاہ سال معمول حضرت شاہ حاتم شاہ بود کہ ہمیشہ چہار گھڑی روز باقی ماندہ در تکیہ شاہ تسلیم شاہ کہ پایں قلعہ مبارک ست تا شام نشستہ میماندند اکثر شاگردانا و مردم دیگر کہ در خدمت اوشان بندگی داشتند آں وقت آنجا رفتہ حاضر میشدند چنانچہ بندہ ہم شاگرد اوشاں بود روزے در ایام نو مشقی ہماں تکیہ در خدمت شاہ صاحب موصوف بندہ و محمد اماں خاں نثار و لالہ مکند رائے فارغ و مرزا اکبر علی اکبر وغیرہ چند شاگردان دیگر حاضر بودیم حضرت شاہ صاحب فرمودند کہ شب مطلعے گفتہ ام۔

سر کو پٹکا ہے کبھو سینہ کبھو کوٹا ہے   رات ہم ہجر کی دولت سے مزا لوٹا ہے

چونکہ در مزاج پیالائی بسیار بود و شعور کم بے تکلف از راہ نادانی گستاخانہ عرض کردم کہ اگر مصرع ثانی این قسم ارشاد شود بہتر است۔ شعر

سر کو پٹکا ہے کبھو سینہ کبھو کوٹا ہے   ہم نے شب ہجر کی دولت سے مزا لوٹا ہے

بمجرد شنیدن این دست بندہ را قریب خود کشیدہ دست بر سر گردانیدہ فرمودند کہ آفرین صد آفرین۔ انشاء اللہ تعالیٰ بعد چندے مشق ایشاں بسیار ترقی خواہد کرد این مثل از زبان ارشاد فرمودند۔

"ہون ہار بروے کے چکنے چکنے پات"

شخصے از حاضران مجلس اظہار کرد کہ این قدر گستاخی لازم نبود فرمودند کہ واللہ در دیوان آہیں قسم خواہم نوشت و این قطعہ بر زبان آوردند۔

من و آں سادہ دل کہ عیب مرا | ہمچو آئینہ روبرو گوید
نہ چو شانہ بصد زبان دو رو | پس سر رفتہ موبمو گوید

مجلس دوم

درایامے بہ شاہجہان آباد روزے مثنوی شاہزادہ مہ جبین و رانی سری نگر نازنین کہ تصنیف بندہ است روبروے برادر صاحب مہربان مرزا سبحان قلی بیگ راغب میخواندم بجائے رسیدم کہ مہ جبین تصویر رانی را دیدہ بیہوش شدہ بود۔

دیکھنے سے ہوا جو عشق کا جوش | گر پڑا ہو کے مہ جبیں بیہوش
سن کے یہ دوڑے سب صغیر و کبیر | غش کی کرنے لگا ہر اک تدبیر
کوئی بولا کہ کیوڑا لاؤ | کوئی بولا گلاب منگواؤ
گھس کے صندل کوئی لگانے لگا | بید مشک آ کوئی پلانے لگا

اوشاں فرمودند کہ در شعر آخر غلطی محاورہ است یعنی صندل را می چسپانند کہ می پویانند
پس ایں را ایں قسم باید نوشت ؎

گھس کے صندل کوئی لگانے لگا بید مشک آ کوئی پلانے لگا

گفتم راست فرمودند لیکن بر در دوسر محاورہ چسپانیدن بر زبان می آرند و در غش لیوبانیدن
استعمال می نمایند ایں را شنیدہ فرمودند کہ از حق نباید گذشت راست تقریر نمودند۔

مجلس سوم

در شاہجہان آباد برادر صاحب مرزا سبحان قلی بیگ آغا مغیث برادر صاحب
سیّد انشاء اللہ خاں و بندہ بہ حسب اتفاق برائے سیر دریا بر گھاٹ نگمو رفتہ بودیم
دریا را در کمال طغیانی دیدہ مرزا سبحان قلی بیگ بدیہہ ایں مصرع فرمودند۔

عشق کے دریا کا عجب پاٹ ہے

بہ مجرد خواندن اوشاں فی الفور مصرع ثانی بہم رسانیدہ گفتم کہ مطلع حق من است ؎

عشق کے دریا کا عجب پاٹ ہے تاہ لگے کس کو کڈھب گھاٹ ہے

ایں شنیدہ ہر دو صاحبان تحسین و آفریں کردند۔

مجلس چہارم

بہ شاہجہان آباد در مجلس شادی شخصے ابندہ و برادر مرزا سبحان قلی بیگ و دیگر

مردم بسیار نشستہ بودیم ذکر رباعیات فارسی بود ہر کی رباعی خوب از ہر یک استاد میخواندند مرزا موصوف فرمودند کہ استاد من یعنی مرزا باقر مرحوم بہادر جنگ خود نوشتہ اند کہ بہتر ازیں رباعی ممکن نیست۔

مجنوں بہوائے روئے لیلیٰ در دشت | در دشت بجست و جوئے لیلیٰ می گشت
می گشت ہمیشہ بر زبانش لیلیٰ | لیلیٰ می گفت تا زبانش می گشت

گفتم واقعی رباعی بسیار نادرست لیکن دو جا قافیہ می گشت بر یک معنی نشست یافتہ معنی دیگر در عقل نمی آید سبب چیست چوں ہمہ صاحبان غور فرمودند معنی دیگر سوائے گردیدن از می گشت پیدا نشد بندہ گفت کہ یک جا معنی می گشت گردیدن ست و بجاے دوم شاید مراد این ست یعنی تا کہ با قید حیات بود ایں را شنیدہ ہمہ صاحبان پسند فرمودند بعد ازاں بندہ بقدر حوصلہ خود بدیہہ ایں رباعی در زبان ہندی ہماں طرز عرض کردم لیکن در آں مضمون لیلیٰ و مجنوں بود و بندہ مضمون شیریں و فرہاد بستہ

فرہاد کو شیریں جو بہت آتی یاد | یاد اسکی میں اپنے دل کو رکھتا وہ شاد
شاد اسکا ہمیشہ ذکر رکھتا اسکو | اس کو کر یاد شاد رہتا فرہاد

بعد استماع ایں حاضران مجلس مجوز ایں امر گشتند کہ چند رباعی دیگر از مشق سابق باید خواند بپاس خاطر آنہا ایں چند رباعی خواندم۔

رنگین اک وضع پر گذارا نہ ہوا | گذرا جو کچھ وہ پھر دوبارا نہ ہوا
چاہا ہم نے بہت نہ چاہا اس نے | چاہا اس کا ہوا ہمارا نہ ہوا

دیگر

رنگیں نیکی سے ہاتھ ہم نے دھویا — اور تخم بدی کو کشت دل میں بویا
جو عہد کر آئے تھے وہ ہم سے نہ نبھا — افسوس کہ زندگی کو یونہیں کھویا

دیگر

زاہد کہتا ہے بت پرستی کو چھوڑ — راہب کہتا ہے دل سے مستی کو چھوڑ
رنگیں کہتا ہے تو نہ سُن دونوں کی — تجھ سے جو ہو سکے تو ہستی کو چھوڑ

دیگر

رنگیں دل کس طرح کسی کو دیجے — اور ہاتھ میں کیونکہ دل کسی کا لیجے
ہرگز نہیں دنیا میں کسی کا کوئی — کس کے ہو رہیے کس کو اپنا کیجے

دیگر

رنگیں کوشش میں تو نے تقصیر نہ کی — وہ کام نہیں کہ جسکی تدبیر نہ کی
لیکن افسوس ہے کہ ناداں تو نے — کچھ خانۂ آخرت کی تعمیر نہ کی

دیگر

اے موجد عیش و کامرانی پھر آ — اے باعث لطف زندگانی پھر آ
میں ہوں بن تیرے چشم خوباں میں ذلیل — پھر آ تو اے مری جوانی پھر آ

مجلس پنجم

در شاہجہان آباد روزے بخانہ برادر صاحب نواب بہادر بیگ خاں کہ غائب

تخلص میفر بایند وارد شدیم اوشان غزل خود روبروے بندہ خواندند حسن مطلعش ایں بود

سینے کے بند وا کر ساغر کو تو پیا کر　　　عالم شراب کا ہے اور بے حجابیاں ہیں

بندہ را ایں شعر بسیار پسند آمد بدیہہ در جواب ایں مطلع عرض کردم و در مقطع مصرع او

اوشان تضمین نمودم ؎

کس مست کی نگہ کی یہ بدشرابیاں ہیں　　　اوندھے پڑے ہیں ساغر ٹوٹی گلابیاں ہیں

بوسے چمٹ کے لے لے رنگیں بقول غالب　　　عالم شراب کا ہے اور بے حجابیاں ہیں

شخصے از حاضران مجلس گفت کہ مضمون مطلع بعینہ مطلع مرزا رفیع است گفتم کدام است

ایں مطلع خواند ؎

ساقی چمن میں کس کی ہیں یہ بدشرابیاں　　　ٹوٹی پڑی ہیں غنچوں کی ساری گلابیاں

گفتم سوائے قافیہ مضمون دیگر نیست در قافیہ حکومت کسے پیش نمیرود سرقہ ایں را

میگویند کہ حضرت مرزا رفیع فرمودہ اند شعر فارسی از کدام استاد ایں بود ؎

بہار بے سپر جام یار می گذرد　　　نسیم ہمچو خدنگ از کنار می گذرد

آں را اوشاں ایں قسم فرمودہ اند ؎

بہار بے سپر جام یار گذرے ہے　　　نسیم تیر سی چھاتی کے پار گذرے ہے

وشعر دیگر از کدام استاد ایں بود ؎

آلودہ رقطرات عرق دیدہ جبیں را　　　اختر ز فلک می نگرد روے زمیں را

آں را اوشاں ایں طور فرمودہ اند ؎

آلودۂ قطرات عرق دیکھ جبیں کو ۔۔۔ اختر پڑے جھانکیں ہیں فلک پر سے زمیں کو

ایں راشنیدہ خجالت کشیدہ عذرہا خواستند۔

مجلس ششم

در شاہجہاں آباد بھوے خاں کہ آشفتہ تخلص میفرمایند و مہربان بندہ اند۔ روزے غزل خود روبروے بندہ میخواندند و سہ جا دخل گستاخانہ کردم ازانجا کہ بسیار منصف اند و تکلف در مزاج ندارند قبول فرمودند حسن مطلع آں غزل ایں بود

پنڈت پوچھو ہات دکھاؤ فال کھلاؤ کوئی پہ ۔۔۔ بخت جو ہوں برگشتہ اپنے کس کے پھیرے پھرتے ہیں

گفتم در مصرع اول لفظ کوئی پہ بے مصرف است اگر ایں قسم فرمایند بہتر باشد

پنڈت پوچھو ہات دکھاؤ فال کھلاؤ حاصل کیا ۔۔۔ بخت جو ہوں گشتہ اپنے کس کے پھیرے پھرتے ہیں

و مقطع ایں بود

جوگ تجا آشفتہ ہمنے دیکھ لٹک اُن زلفوں کی ۔۔۔ خوار و پریشاں گلیوں گلیوں بال بکھیرے پھرتے ہیں

اظہار کردم کہ از لفظ جوگ تجا شعر بے معنی می شود بسبب اینکہ تجا بمعنی گذاشتن است پس اگر جوگ راگذاشتند از کدام چیز خوار و پریشاں می گردند باید گفت کہ

جوگ سجا آشفتہ ہمنے دیکھ لٹک اُن زلفوں کی ۔۔۔ خوار و پریشاں گلیوں گلیوں بال بکھیرے پھرتے ہیں

بسکہ راستی پسندند و ہر ام راستی پیشہ اوشاں است فرمودند کہ مرا عکس ایں معلوم بود گفتم خیر غرض ہر جا کہ دخل کردم بے قیل و قال از راہ منصفی قبول فرمودند۔

مجلس ہفتم

در شاہجہان آباد بہ محفل پسر حضرت میر سید صاحب مرحوم یعنی میر سید علی کہ شاگرد بندہ اند و غمگین تخلص میفرمایند وارد بودم اوشان این مطلع میاں جرأت را خواندند و بہ بندہ فرمودند کہ چیزے بدیہہ بگوئید ؎

گھر جو یاد آیا کسی کا اپنے گھر میں آن کر ۔۔۔ چپکے چپکے روتے ہیں منہ پر دوپٹا تان کر

فی الفور این مطلع و حسن مطلع عرض کردم و بعد چند روز غزل تمام نمودم۔

یوں کہوں اُس کو کہ آیا ہوں تو جی میں ٹھان کر ۔۔۔ چین دے مجھ کو کہیں اپنے خدا کو مان کر

بازگشتی تیر ہے پھر کر یہ تیرا دیکھنا ۔۔۔ صدقے تیری اس ادا پر سے مجھے قربان کر

کھوئی غفلت میں جوانی دیکھ پیری میں تو چیت ۔۔۔ صبح صادق ہو گئی چلنے کا کچھ سامان کر

سوچ جی میں کرے ہوتے غیر کو گردن نہ مار ۔۔۔ قتل کرتا ہے تو کر ظالم و لے پہچان کر

دیکھ مجھ کو دور سے دینے لگا تھا گالیاں ۔۔۔ جی میں کیا گذرا تھا کل تیرے ادھر تو دھیان کر

آج آنا ہی نہیں آتا تو دے مجھ کو جواب ۔۔۔ کھینچ کر پیغام جھوٹے رو زمت حیران کر

دل بغل سے لے گئی رنگیں وہ دزدیدہ نگاہ ۔۔۔ ورنہ دل دیتا ہی کون اپنا کسی کو جان کر

مجلس ہشتم

در شاہجہان آباد روزے در دیوان خانہ برادر صاحب مسیح الزمان حکیم محمد اشرف خاں کہ حکیم تخلص می فرمایند و بندہ را برادر خواندہ اند حکیم ثناء اللہ خاں فراق و اشخاص چند

گرم اختلاط بودیم خاں صاحب موصوف فرمودند کدام غزل بخوانید بموجب ارشاد

ایں غزل خواندم۔

کبھی تم میرے مقتل پر اگر آتے تو کیا ہوتا
اور اُس جا اشک آنکھوں میں جو بھر لاتے تو کیا ہوتا

کھلائے پان تم نے غیر کو کل اپنے ہاتھوں سے
جو غیرت کے مارے ہم کچھ کھا کے مر جاتے تو کیا ہوتا

اندھیری رات ہے ساون کی چھاجوں مینھ برستا ہے
اکیلا اُسکو ہم اس وقت گر پاتے تو کیا ہوتا

وہ آیا تھا یہاں اے حضرت دل بھول کر شب کو
جو تم اس وقت پہلو سے نہ ہٹ جاتے تو کیا ہوتا

وہاں اپنی ہی اپنی پڑ گئی اے ہمدمو جا کر
کوئی مطلب کی میرے بات فرماتے تو کیا ہوتا

نصیحت رات دن ناصح کیا کرتے ہو ناحق تم
اُسے بھی ایک دن تم جا کے سمجھاتے تو کیا ہوتا

دلائیں گالیاں غیروں سے لاکھوں تیغ نگہیں کو
بھلا اُس وقت وہ جی سے گذر جاتے تو کیا ہوتا

چوں ایں غزل را تمام کردہ ایں حسن مطلع غزل دیگر روبروے اوشاں خواندم۔ شعر

تیرے گل تکیوں کے خاطر یہی لازم ہے کہ ہو
ایک تو شمس کا اور ایک قمر کا تکیہ

ثناء اللہ خاں صاحب فرمودند کہ بعینہ شعر من سرقہ کردہ ام ارشاد شود ایں شعر خواندند۔ شعر

تیرے گل تکیوں کی خاطر تو اب اے احسن حال
یہ مناسب ہے کہ ہو شمس و قمر کا تکیہ

عرض کردم کہ بندہ شعر آں قبلہ نشنیدہ بود توارد شدہ است لیکن ازیں شعر [illegible]

چونکہ کمال منصف اند فرمودند بجا است۔

مجلس نہم

در شاہجہاں آباد درونے بسنت سنگھ کہ نشاط تخلص می فرمایند و شاگرد بندہ اند نزد بندہ آمدہ ایں مطلع حضرت میر تقی صاحب خواندند ۔

یوں نہ کرنا تھا پائمال ہمیں　　خوش نہ آئی یہ تیری چال ہمیں

و اظہار نمودند کہ جواب ایں بندہ ہم غزل گفتہ مطلعش ایں ست ۔

گھر سے اپنے نہ تو نکال ہمیں　　یوں جو چاہے تو مار ڈال ہمیں

گفتم بسیار خوب مطلع ست دریں اثنا آدم بیگم صاحب کہ تنعیم تخلص می نمایند و از بندہ اصلاح میگیرند آمدہ کاغذ بدست بندہ داد و دراں ایں غزل برائے اصلاح نوشتہ بودند

ملتا ہی نہیں سراغ دل کا　　ہے عرش پر اب دماغ دل کا

گر عشق میں بیکلی نہ ہووے　　سرسبز رہے یہ باغ دل کا

یہاں آتش ہجر سے شب و روز　　دہکے ہے پڑا وہ داغ دل کا

ہے بادۂ غم سے تیرے ظالم　　لبریز مرا ایاغ دل کا

ہے منت سمات سے تو نعیم　　بخشے تجھے حق فراغ دل کا

و بعد غزل نوشتہ بودند کہ امروز اینجا بندہ ایں مطلع انشاء اللہ خاں را بر یک کتاب نوشتہ دیدہ بودم ۔

کیا فائدہ خالی جو ملاقات کی ٹھہرے　　تب خوش ہو مرا دل کہ جب اُس بات کی ٹھہرے

اینجا بندہ در جواب ایں مطلع گفتہ است ۔

خالی ہی اگر اُس سے ملاقات کی ٹھہرے — کافر دو جو پھر چاہے کہ اُس بات کی ٹھہرے

پس لازم کہ اصلاح نمودہ درجواب غزل و مطلع آں صاحب ہم فکر نمودہ بزنگار ندبند فی الفور بر پشت ہماں کاغذ ایں غزل نوشت ۔

تا حشر رہے یہ داغ دل کا — یارب نہ بجھے چراغ دل کا

ہم سے بھی تنک مزاج ہے یہ — پاتے ہی نہیں دماغ دل کا

اُس رشک چمن کی یاد میں ہے — شاداب ہمیشہ باغ دل کا

جینے کی جہاں میں اسکو لذت — جس شخص کو ہو فراغ دل کا

معلوم نہیں کسی کو رنگیں — دے کون ہمیں سراغ دل کا

درجواب مطلع ایں قطعہ نوشتم ۔

اک غرفہ نشیں دیکھ کہا دل نے کہ رنگیں — کیا خوب ہو گر اس سے اشارات کی ٹھہرے

نوبت جو اشارات تلک پہنچی تو وہ ہاں — اُسنے یہ کہا حرف و حکایات کی ٹھہرے

جب حرف و حکایات بہم ہونے لگے خوب — بولا کہ کسی طرح ملاقات کی ٹھہرے

مدت میں ملاقات میسر جو ہوئی ہے — اب دل یہی کہتا ہے کہ اُس بات کی ٹھہرے

مجلس دہم

در شاہجہاں آباد روزے بخانہ میرزا سبحان قلی بیگ آغا بیگ رفتم بمجرد رسیدن بندہ فرمودند کہ دیروز شخصے یک نقل رو بروے اینجانب کردہ بود تمام شب در فکر نظم آں بودم

اتفاق نشد گفتم نثر آں ارشاد شود نقل کردند کہ یک شخص رند مشرب بسیار مفلس بود روزے بزِ شخصے را ذبح کردہ خورد یکے از دوستان او گفت کہ شرم از خدا و ترس از روز جزا نداری فردائے قیامت چہ جواب خواہی داد گفت منکر خواہم شد مالک بُز درانجا شاہد از کجا خواہد آورد کہ مرا دروغ گو خواہد کرد آں شخص گفت کہ مالک بز از تو درخواست بُز خواہد کرد و بُز حاضر شدہ اززبان خود اقرار خواہد کرد کہ مرا ذبح کردہ بود مرد رند گفت ہر گاہ کہ مالک بُز دعوی بز خواہد کرد و بز حاضر خواہد بود پس چہ غم ست گوش بز گرفتہ بدست مالک آں خواہم سپرد و خواہم گفت کہ مال خود بگیرید ہر گاہ ایں نقل تمام شد گفتم واقعی قابل نظم کردن ست و دوات و قلم و کاغذ حاضر بود در عرصہ سہ چہار گھڑی ایں قسم نظم کردم —

شخص تھے ایک رند وضع لیک تھے مفلس کمال
کھا گئے وہ ایک کی بکری کو کرکے حلال

اُنکے جو رنگیں تھے یار اُسکے اُنہوں نے کہا
سنتے ہو اے مہرباں تم کو یہ لازم نہ تھا

رندوں کے مشرب میں تو خوب ہی تم چھا گئے
مال تمہارا بیگانہ وہ کیوں اُسے تم کھا گئے

خوف قیامت کا کچھ رکھتے نہیں آہ تم
روز جزا سے کہو کیا نہیں آگاہ تم

روز قیامت کو جب ہونے لگیگا حساب
مجھکو بتاؤ تو کیا دوگے تم اسکا جواب

سُن کے وہ بولا کہ یار میں تو مکر جاؤنگا
اور مکر کر دہیں جھوٹی قسم کھاؤنگا

کوئی بھلا اُسکا وہاں ہوویگا شاہد کہاں
جھوٹا کریگا وہ شخص مجکو بھلا کیونکہ وہاں

اُسنے کہا سُن لے کھو بکری ہی وہاں آئیگی
حال کہے گی وہ سب اور تمہیں جھٹلائیگی

پھر وہ کہیگی یہی میں تو نہ تھی تیرا مال
تو نے بھلا کس لئے مجکو کیا تھا حلال

اُسکا جو مالک ہے وہاں وہ بھی کھڑا ہوویگا
مانگے گا تم سے اُسے اور کڑا ہوویگا

بولے جو اس بات میں ہو نہیں کچھ بیش و کم
تو تو پھر اس بات کا کیجیے ہرگز نہ غم

کیونکہ جو مالک کے پاس ہووے گی بکری کھڑی
تو تو مصیبت نہ کچھ مجھ پہ پڑے گی بڑی

بکری کے دونوں جھپٹ اکان پکڑ لونگا میں
ہاتھ میں مالک کے بس جلدی سے پکڑ دونگا میں

اور یہ کہونگا کہ لے حق ترا پہنچا تجھے
ہاں بس اللہ کو پھر نہ ستانا مجھے

مجلس یازدہم

در شاہجہان آباد بخانہ مرزا سبحان قلی بیگ راغب بندہ و دو سہ شخص دیگر نشستہ بودیم یکے گفت کہ شعر صاف و دیگرے اظہار کرد کہ شعر تلاش و تہ دار و دقیق معنی دار خوب میباشد و بندہ را منصف نمودند گفتم کہ اکثر در تذکرہ ہا دیدہ ام قدما تعریف شعر صاف نوشتہ اند این شعر خاقانی و حضرت شیخ سعدی شیرازی کہ مکرر در تذکرہ ہا دیدہ بودم عرض نمودم ــــ

همسایه شنید ناله ام گفت
خاقانی را دگر شب آمد

سعدی از داغ جگر سینه مکش
کشتارو زن آتشکده را

و اظہار نمودم کہ انتہائے شعر انیست کہ صاف باشد چرا کہ عام فہم و خاص پسند میشود سوائے این در شعر صاف غلطی محاورہ و اصطلاح و تہی نہ میگردد بسبب اینکہ فہم

ہر کس معنی شعر بآسانی می آید اگرچہ درآں خوبی و قباحت می باشد جلد دریافت میگردد
آنجاست کہ شعر صاف گفتن دشوار است و در شعر دقیق کہ قباحت می آید مردم عام قصور
فہم خود دانستہ بپرسیدن مدعا خاموش میمانند و مردم خاص از شبہہ می دانند کہ بجاے
خود استعارہ کردہ خصوصاً در شعر ہندی کہ دقیق باشد بردم فہمیدہ جلد قباحت دریافت
نمی شود وجہ ایں کہ دریں زبان کار لغات نیست شعر صاف ضرور ست حاضران مجلس
فرمودند کہ کدام غزل صاف بخوانید تا ازاں معائنہ شود ایں غزل خواندم۔

عشق میں تیرے میرا رنگ زعفرانی ہے — ضعف ہی رفیق اپنا یار ناتوانی ہے
کس سے میں کہوں یہ بات دل نہیں ملا ہیہات — اُس گلی میں ساری رات خاک میں نے چھانی ہے
آئیگا وہ یہاں شب کو مجھے تو کہے سے ہے جو — نامہ بر قسم کہا تو اُس کی یہ زبانی ہے
دیکھیو یہ قامت ہے یا بلا ہے آفت ہے — قد نہیں قیامت ہے قہر آسمانی ہے
کہہ چکا ہوں میں سو بار یار و مت کرو تکرار — اُسکی ابروِ خمدار تیغ اصفہانی ہے
یوں کہے ہو وہ بیڈھنگ تیغ کو چڑھا کر سنگ — کیجیے تجھے چو رنگ اب یہ جی میں ٹھانی ہے
ہمنشیں نہ کر تاخیر جلد کر مری تدبیر — ہے جنوں گریباں گیر عالم جوانی ہے
کب تلک رہوں جیتا اُس بن اے دل صد چاک — زندگی ہوا اپنی خاک زندگانی ہے

سُن کے اُسنے رنگیں آہ تیرا قصۂ جانکاہ
ہنس کے یوں کہا لے واہ زور یہ کہانی ہے

مرزا سبحان قلی بیگ فرمودند کہ دریں ایام در شاہجہان آباد بلکہ در دیگر جاہا نیز پرایسان نظیر

صاحب کسے شعر ہندی تہ دارد دقیق و مشکل نمیگوید گفتم بلے دریں کار یگانہ زماں و بے
بدل روزگار ند فرمودند کہ مطلع اوشاں میخوانم چیزے قباحت اگر بخوانند برآرند گفتم مشق
اوشاں ایں قسم نیست کہ دراں جائے سخن باشد و سوائے ایں در خدمت اوشاں بندگی
دارم چوں اوشاں قسم دادہ ایں مطلع خواندند۔ ؎

چرائی چادر مہتاب شب میکش نے جیحوں پہ　　کٹورا صبح دوڑانے لگا خورشید گردوں پہ

ناچار شدہ گفتم کہ ایں مطلع بہ از مطلع آفتاب ست لیکن مرا دریں تامل ست کہ چادر مہتاب را
میکش بر جیحوں چگونہ دزدید اگر بجائے میکش لفظ بادل میبود البتہ بہتر بود۔ ؎

چرائی چادر مہتاب شب بادل نے جیحوں پہ　　کٹورا صبح دوڑانے لگا خورشید گردوں پہ

سبب ایں ست کہ ہر گاہ ابر برباہ می آید البتہ چادر مہتاب نمی ماند گویا دزدیدہ میشود
بطور لطیفہ عرض کردم مضمون از عالم بالا و دزد بر زمیں یعنی چہ قصہ زمیں بر سر زمیں
مضمون عالم بالا را دزد ہم آسمانی بایستے شخصے ایں سخن میاں نصیر صاحب سانیدہ
اوشاں شنیدہ از بندہ آزردہ خاطر شدند بالیے ہزار خرابی درچند بتصفیہ نمودم

مجلس ۱۲ دوازدہم

در شاہجہاں آباد سید احمد میر خاں کہ صوبہ دار بودند بر بندہ کمال تفضلات مبذول میفرمودند
روزے در خلوت اتفاق شعر خوانی بود فرمودند کہ شخصے شعر مرزا جلال اسیر را خواندہ بود
مصرع اول از خاطر رفتہ عرض کردم مصرع آخر ارشاد شود فرمودند۔۔

از قضا ایں قدر رنہ می آید

بمجرد شنیدن عرض کردم۔

دلبر من بسر رنہ می آید　　از قضا ایں قدر رنہ می آید

بعد عرض کردن بندہ فرمودند کہ حالا یاد آمد مصرع اوشان ایں بود۔ ؎

دستانم بسر رنہ می آید　　از قضا ایں قدر رنہ می آید

عرض کردم کہ بجدآں جناب و بہ کلام اللہ قسم ست کہ اگر از کسے شنیدہ باشم یا بجائے نوشتہ از نظر گذشتہ باشد فرمودند کہ اگرچہ مضمون توارد ست لیکن تکلف ایں لفظ کہ دلبر گفتہ اند برائے لفظ رانو دستاں خوب ست آفریں صد آفریں عرض کردم کہ از راہ پرورش ارشاد میشود۔

مجلس ۱۳ سیزدہم

در سہارنپور برفاقت نواب غلام قادر خاں بودم نواب موصوف در عالم طفولیت با بندہ دستار بدل شدہ بودند شعر ہندی خوب میفرمودند تخلص فرخ میفرمودند در ابتدا بندہ را شوق شعر خوانی و شعر گوئی از صحبت اوشاں شدہ بود مرزا عبدالکریم بیگ کہ مردم کاشغر و اتالیق اوشاں بودند روزے ایں مطلع غنی کشمیری را خواندند۔ ؎

درون آشیاں از بیضہ تا من سر برآوردم　　ز تیر غمزۂ بیداد خوباں پر برآوردم

گفتم مرزا صاحب در شعر استاداں دخل بیجا کردن بیجا ست لیکن حرف خوب بخاطر گذشتہ فرمودند ارشاد شود گفتم۔ ؎

درون آشیاں از بیضہ تا من سر برآوردم　　ز تیر غمزۂ بیداد کیشاں پر برآوردم

لفظ کیشاں برائے تیر غمزہ پر مناسب ست از اینجا کہ مرزائے موصوف بر بندہ مہربانی فرمودند بسیار پسند فرمودند۔

مجلس[۱۴] چہاردہم

در پرگنہ نہ بندہ و محمد خاں صاحب کہ بہار تخلص می فرمایند و پسر عمو صاحب مراد بیگ خاں یک جا با چند کس نشستہ بودیم ذکر بدیہہ گوئی بمیاں آمد شخصے گفت کہ بدیہہ گفتن امر دشوار ست برادر موصوف فرمودند کہ سعادت یار خاں در بدیہہ گوئی دستگاہ خوب دارند آں شخص گفت کہ بارے مصرع ثانی ایں ہم رسانید

ع - راز دل را بکس نباید گفت

شخص مذکور ہنوز تمام نہ کردہ بود کہ جواب دادم ۔ ؎

راز دل را بکس نباید گفت   گر بود ہمنفس نباید گفت

مجلس[۱۵] پانزدہم

در فیروز پور جھرکہ بندہ و مصطفیٰ خاں پسر مراد بیگ خاں و دیگر چند مغل قزلباش باہم نشستہ بودیم یکے از آنہا کہ علی رضا بیگ نام داشت مرد اصفہانی بود شعرہا استادان بسیار یاد داشت از کنایہ بہ بندہ گفت کہ یک شعر خوب از استاد یاد آمدہ ست یک مصرع آں میخوانم آنجناب ہم شعر میگوئید بارے مصرع ثانی برائے آں بفرمایند

مصرع اولش این ست۔

چہ می پرسی ز من حالِ دلِ غمدیدۂ ات چوں شد

گفتم در فارسی دستگاہ چنداں ندارم مصرعہ بدیہیتہ توانم کہ بہم رسانم لیکن این قدر جستی کہ مصرع اُستاد داشتہ باشد معلوم گفت ثانی قدر حالِ خود چیزے ارشاد شود کہ مدعا از امتحان ست گفتم۔ سہ

چہ می پرسی ز من حالِ دلِ غمدیدۂ ات چوں شد

بہ شوقِ فندقِ پایت سرشکِ دیدہ ام خوں شد

گفت بارک اللہ بدیہہ خوب ارشاد گردید اگرچہ اُستاد مصرع ثانی بسیار عمدہ دارد لیکن بخونِ جگر بہم رسانیدہ باشد و آں صاحب فوراً ارشاد کردند گفتم مصرع ثانی اُستاد ہم ارشاد شود تا حظے ببرم گفت۔ سہ

چہ می پرسی ز من حالِ دلِ غمدیدہ ات چوں شد

دلم خوں گشت و خونم آب و آب از دیدہ بیروں شد

گفتم واقعی مصرع ثانی لاثانی ست گفت از مشق سابق خود کدام غزل فارسی بخواہید ایں غزل خواندم۔

ہمزباں چوں پری رخساری می خواہد دلم	چوں می خواہد دل و دلداری خواہد دلم
تا ز اُستادِ محبت درسِ عشق آموختم	سنگِ طفلاں بر سرِ بازاری خواہد دلم
چشمِ زخمے بجز بہر گز ندارد آرزو	زخمہا زاں ابروِ خمدار می خواہد دلم

تا ز رمز قصۂ فرہاد و قیس آگاہ گشت — دشت خار و دامن کہسار می خواہد دلم

شوخ گفت از ناز نمی خواہد دلت چندان کہ — گفتمش اے دلربا بسیار می خواہد دلم

تا کہ آگہ از کمال زاہد و راہب شدم — رشتۂ از سبحہ و زنار می خواہد دلم

گرد خوں رنگیں دلم را مصرعِ اُستاد ہ

یار می خواہد دلم چوں یار می خواہد دلم

مجلس شانزدہم

در پرگنہ باول کہ سن ہشتاد و چہار ردہ در جاگیر قبلہ گاہ صاحب بود وارد بودم و بر دختر قصاب آنجا بقول سعدی یعنی در ایام جوانی چنانکہ افتد و دانی حالتِ عشق داشتم چوں بعد چندے وصل آں میسر آمد اصلا شہوت نشد سببش اینکہ از بار چہارے آں بوسے بجیدی می آمد کہ در نوشتن نمی آید ہر چند تردد کردم چیزے بہ عمل نیامد فی الفور ایں مطلع گفتم۔ ؎

ہست تا بدل بس کنم و کہ کنم — لیر چہ یار مرا۔ ندہد چوں کنم

مجلس ہفدہم

در کانوڈ برفاقت نواب نجف قلی خاں بودم نواب موصوف مرزا جعفر را بہ شاہجہان آباد رخصت فرمودند بندہ را مع دو صد سوار ہمراہ اوشاں نمودند چوں

بہ شہر ریواڑی رسید. ندراجہ آنجا کہ سترسین نام داشت بکمال تیاری ضیافت کرد بعد
فراغت طعام صحبت رقص شد نواب مرزا جعفر فرمایش کردند کہ کدام غزل بخوانید رقاصہ
ایں غزل نواب وزیرالممالک آصف الدولہ خواند

جہاں تیغ اُس کی علم دیکھتے ہیں ۔ وہاں اپنا سر ہم قلم دیکھتے ہیں

یکے از مصاحبان اوشاں گفت کہ ایں مطلع محمد امان خاں نثار در یں زمین خوب ست

جدھر بھر نظر یہ صنم دیکھتے ہیں ۔ اُدھر لاش پر لاش ہم دیکھتے ہیں

شخصے دیگر گفت کہ بریں مطلع مرزا رفیع ہم خوب ست

گدا دست اہل کرم دیکھتے ہیں ۔ ہم اپنا ہی دم اور قدم دیکھتے ہیں

مطلع شخصے دیگر خواند

تجھے کفش پہنے جو ہم دیکھتے ہیں ۔ تو دشمن کو زیر قدم دیکھتے ہیں

نواب موصوف بہ بندہ فرمودند ایشاں ہم بریں فکر نمایند عرض کردم کہ ایں وقت طبع
بطرف رقص مائل ست فرمودند عذر بیجاست رقص را موقوف کنانیدند ناچار
ایں غزل نوشتم۔

رقیبوں سے اُسکو بہم دیکھتے ہیں ۔ یہ ظلم اپنی آنکھوں سے ہم دیکھتے ہیں
لگانے بھی دے ہاتھ ابرو کو اپنے ۔ ہم اس اصفہانی کا خم دیکھتے ہیں
نہیں ہم سے وہ دل رہا اب تمھارا ۔ وہ باتیں بہت اب تو کم دیکھتے ہیں
جو ملتا ہو اُس سبزہ خط سے ہم اُسکا ۔ قلم کی طرح سر قلم دیکھتے ہیں

بتوں کا ہمیں ظلم بھاتا ہے ناصح — ستم اُن سے گو دمبدم دیکھتے ہیں
جلومت عبث تم بھلا پھر تمھیں کیا — جو کچھ دیکھتے ہیں سو ہم دیکھتے ہیں

کبھی وصل کی شب کا تھا دیدِ رنگیں
جن آنکھوں سے اب یہ ستم دیکھتے ہیں

مجلس سیزدہم

در لشکر نارنول نواب آسمعیل خاں بہادر فرود آمدہ بودند بندہ برفاقت او شاں بود روزے برادر محمد یار خاں و بندہ برائے سیر و زیارت درگاہ نظام الدین نارنولی سوار شدیم در راہ شخصے از برادر مذکور آشنائی داشت دو چار شد گفت کہ در اجمیر ذکر آں اقصاب شنیدہ مشتاق ملاقات بودم بہ حسب اتفاق ملاقات میسر آمد فرمایشے دارم کہ بجا آرید گفتم بچشم گفت کہ مصرع نواب آصف الدولہ شنیدم امید مصرع دگر دارم از کسے جا نم نہ رسیدہ گفتم بخوانید گفت ع

نہ لگی ہے آنکھ جب سے آنکھ لگی

بعد یک ساعت مصرع بہم رسانیدم ۔۔۔

اب کی کچھ اور ڈھب سے آنکھ لگی — نہ لگی ہے آنکھ جب سے آنکھ لگی

ایں را شنیدہ بسیار پسند کردہ اظہار نمود کہ چیزے از مشق قدیم باید خواند ایں چند مطلع کہ سر دست یاد بودند درین روا روی بر زبان آوردم ۔

جو نالہ رات کو لب سے نہ ہٹ گیا ہوتا　　　تو ساتھ آہ کے سینہ بھی پھٹ گیا ہوتا

تو جو کہتا ہے کہ گھر جائیں گے ہم　　　تیرا کیا جائیگا مر جائینگے ہم

آج تجھ بغیر ظلمت دل اُجاڑ رہے　　　چھاتی پہ رات بھر کی کالا پہاڑ رہے
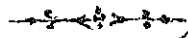
بنیگی صحبت اُس سے کس طرح کچھ کہہ نہیں سکتے　　　وہ دم چاہتی ہے اور بن شغل ہم بھی رہ نہیں سکتے

بولنے کی شہر میں یا ہم سے دہائی پھر گئی　　　تیرے پھر جاتے ہی بس ساری خدائی پھر گئی

وہاں تو وہ گھر سے کم نکلتا ہے　　　اور یہاں اپنا دم نکلتا ہے

آہ کیجے تو آن جاتی ہے　　　جو نہ کیجے تو جان جاتی ہے

مجلس نوزدہم

در بیج پور حسب اتفاق بندہ و محمد یار بیگ سائل کہ بعد منعم تخلص میفرمودند نشستہ بودیم و صحبت شعر گرم بود بندہ این مطلع خواند ؎

یوں سرشکِ مژہ اشام و سحر جھڑتے ہیں　　شاخ پر میوے سے جس طرح ثمر جھڑتے ہیں

محمد یار بیگ سائل اظہار کردند کہ مضمون منست گفتم شعر خود بخوانید این شعر خواندند ؎

شاخ کو کوئی ہلائے تو ثمر جھڑتے ہیں　　اپنی ہر جنبش مژگاں سے گہر جھڑتے ہیں

گفتم بندش شعر بندہ معقول ست سبب این کہ از ہر شاخ ثمر نمیریزد مگر ہر شاخ کہ پر میوہ باشد انصاف شرط ست، ہر گاہ کہ قائل شدند مطابق آں این نقل رو بروے اوشاں کردم کہ بندہ این شعر گفتہ بود ؎

مجھے جو اس پر یوسف نے طلب گار اپنا جانا ہے　　چھڑک کر کیوں نہ بیچے اب خریدار اپنا جانا ہے

شخصے بہ بندہ گفت کہ این مضموں را انشاء اللہ خاں دانستہ این قسم بستہ اند ؎

دل کو رکھ کر بنجۂ مژگاں تر پہ بیچیے　　یعنی اپنا مال ہے اس کو چھڑک کر بیچیے

گفتم از بندش بندہ بندش اوشاں خوب ست سبب اینکہ برائے لفظ پاشیدن آب یعنی چھڑک لفظ بنجۂ مژگاں نیز بسیار مناسب بدست آمدہ است از حق نباید گذشت پس ضرور ست کہ از ہر کس مضمون بستہ شود تا آں ہمانست خواہ توارد باشد خواہ مستفاد

مجلس ہشتم

درحضرت اجمیر روزے نواب قدرۃ اللہ خاں پسر نواب قاسم خاں این مطلع شیخ سعدی را در بروئے بندہ خواندند۔

سرو سینا بہ صحرا میروی　　نیک بد عہدی کہ بے ما میروی

از راہ اختلاط گفتم کہ اگرچہ بے ادبی ست لیکن حرف خوب بخاطر گذشتہ است۔

سرو سیمینا بہ گلشن می روی　　نیک بدعہدی کہ بے من میروی

دراں مجلس مغل تازہ ولایت کہ چنداں از ذائقہ شعر آگاہی نداشت و از شعر گفتن
بندہ نیز اطلاع نداشت گفت کہ امروز دریافت شد کہ آں صاحب شعر ہم می گویند
بارے کدام غزل فارسی از تصنیف خود بخوانید ایں غزل خواندم

دوست یکسو خود ز دشمن کیں نمیخواہیم ما　　خاطرے از ما برنجد ایں نمیخواہیم ما

کوچۂ دلدار ما را بہر آسایش بس ست　　کشور ایران و ملک چیں نمیخواہیم ما

مژدہ باد اے زاہد و راہب کہ از روز ازل　　بندۂ عشقیم و کفر و دیں نمیخواہیم ما

رہروان منزل عشقیم و درسطے گردش　　توسن گردون دوں را زیں نمیخواہیم ما

جامۂ عریانی ما فخر صوف و اطلس ست
زینت از بہر خود اے رنگیں نمیخواہیم ما

ایں را شنیدہ مجوز شد کہ غزل دیگر بخوانید ناچار بپاس خاطر یاراں چند شعر دیگر خواندیم

دل بلائیست کہ من میدانم　　مبتلائیست کہ من میدانم

کس چہ داند کہ میان من و او　　ماجرائیست کہ من میدانم

نقش آبست بنائے ہستی　　ایں بنائیست کہ من میدانم

دلبرے عشوہ گرے کجکلہے　　میرزائیست کہ من میدانم

در حق غنچگاں پیر مغاں　　پیشوائیست کہ من میدانم

چشم میگونش ادائے دارد | چہ ادائیست کہ من میدانم
نیست آسان گذر از دہر کہن | تنگنائیست کہ من میدانم
خاکساری بجہان اے رنگیں | کیمیائیست کہ من میدانم

مجلس بست ویکم

درکابل شاہ جہاں تیمور شاہ در ۱۲۱۲ھ دوازدہ صد دوازدہ ہجری اسد یار خان درانی را کہ مالک یک وستہ یعنی دوازدہ ہزار سوار بود و قابلیت و دانائی از حد زیادہ داشت ایلچی کردہ مع تحفہ و تحائف آنجا نزد پادشاہ عالم شاہ فرستاد خان موصوف بعد از ملازمت حضور ... ماہ در شاہجہان آباد ماندہ رخصت کابل خواست پادشاہ والد بندہ را مع تحفجات این ملک ایلچی فرمودہ ہمراہ مشار الیہ رخصت فرمودند بندہ برادر محمد یار خان و حق وردی خان و خدا وردی خان نیز ہمراہ روانہ شدیم لیکن از حضور پادشاہ ارشاد شد کہ نزد وکیل مطلق یعنی پٹیل صاحب کہ از دو لک سوار ہم راجپوتانہ در پیش وارد شدہ بودند و مہاراجہ پٹیل بہادر بحکم حضور رسید کہ باید دولت طلب سیکھ نا را نزد شاہ تیمور شاہ روانہ فرمودیم آنچہ از باب دیگر در کار داشتہ باشند سرانجام کردہ دہند ہرگاہ از شاہجہان آباد روانہ شدہ بہ نواح کوٹ پوتلی رسیدیم تمام ملک از تاخت مرہٹہ ہا بے چراغ شدہ بود ہزارہا سوار مرہٹہ قزاقی می کردند روزے اسد خان بہ والد بندہ گفت کہ در راہ خطرہ بسیار است لازم کہ از راجہ این ملک مردم بطریق بدرقہ ہمراہ

باید گرفت بنده اظهار کرد که جمعیت مایان ہم کم نیست احسان ناحق برداشتن
چه ضرور خان موصوف برآمد سخن این شعر خواند ے

بے پیر مرو تو در خرابات　　　هر چند سکندر زمانی

حاصل این شعر بودیعنی در راه مخاطره بے بدرقه رفتن از دانائی بعید ست بنده گفت
که لفظ خرابات دریں مقام بے مصرف ست اگر این قسم بخوانند بهتر باشد ے

بے پیر مرو براه ظلمات　　　هر چند سکندر زمانی

لفظ ظلمات ازین سبب مناسب ست که هر گاه سکندر قصد ظلمات کرد فرمود که
مرد پیر همراه نرود جوانے از پدر پیر خود عشق واشت پدر را در صندوق کرده همراه
برد چون نزد ظلمات رسیده پادشاه حیران شد که هر گاه در تاریکی رفتم چگونه ازہمان
راه خواهم گشت هر کسے تدبیر آن بقدر حوصله خود عرض میکرد تشفی پادشاه نمی شد
مرد جوان صورت حال روبروئے پدر بیان کرد پیر تدبیرے آموخت که پسند پادشاه
آمد وازان راہے یافت پس اگر شاعر دریں مقام لفظ ظلمات بجاے خرابات می نوشت
خوب می کرد و نیز لفظ ظلمات برائے سکندر پر مناسب ست اسداللہ خان بسیار پسند کرده فرمودند

مجلس بست و دوم ۲۲

در گوالیار سندر راؤ مرہٹا یک کمپو که عبارت از هفت هشت هزار سپاهی ست
به برادر صوفی آغا یار بیگ خان داده بود و یک ساله سواران همراه بنده بود و مرزا کلو بیگ

که شور تخلص میفرمودند با بنده بسیار ربط دوستی میداشتند و از باعث زور طبیعت
کسے را بخاطر نمی آوردند و در یک زمین غزل ده پانزده میگفتند و گاہے بپاس خاطر
وگاه از تنزل اصلاح یک دو غزل میگرفتند لیکن اکثر جا از راه زبردستی و سخنی سخن
معقول را ہم قبول نمیفرمودند روزے در درگاه محمد غوث گوالیری نزد بنده نشسته بودند
پنج شش غزل خود بکمال آب و تاب خوانده فرمودند که غزلها را ہمین وقت گفته آورده ام
و اگر بخواہم ہشت غزل دیگر ہمین قسم بگویم گفتم درست ارشاد میشود لیکن غزل مشکل اگر
در یک سال ہم شود کمال غنیمت ست شرطیکه مشکل باشد و خوب شود و بنده یک غزل
بقید حروف که از الف تا یاست در سه ماه بهزار خرابی باتمام رسانیده ام فرمودند که اینجانب
در سه گھڑی در جواب آن غزل نوشته میدہم گفتم اگر در سه سال جواب آن غزل نویسانید
دہند بنده شاگردی قبول کند گفتند بخوانید من این غزل را خواندم۔

اکڑ آفت کلیو کا بل پہ ہی پٹکا قبا خاصی — تبر تختہ جھمک ٹھوکر ہنا ثابت حیا خاصی
جبیں جادو چلاوا اچھل حیا حیرت تجسس خو — دھواں دنداں کا داغی رسیلا رخ صفا خاصی
زنخ زیبا ستم سینہ شرر شوخی صفا صورت — ضرورت ضد طرح طوفاں ظفر ظاہر جفا خاصی
عجب عشوہ غضب غمزہ فسوں فندق قیامت قد — کمر کافر نگو گلگوں لچک لاکھوں ادا خاصی

مڑی مژگاں نگہ ناوک وفا وہ جیبھ ہنسی ہی ہی
یمن یاقوت لب پر صدقے اور نگیں حیا خاصی

بعد شنیدن این غزل فرمودند که واقعی بکمال صنعت و بطرز نو گفته اند سخت مشکل ست لیکن

من خواہم گفت بندہ مجبور شد دو چہار گھڑی فکر کردند ہیچ بعمل نیامد مہلت سہ روز خواستہ بجاے خود تشریف بردند بعد پنج شش روز کہ ملاقات شد تقاضا کردم فرمودند کہ از خیال رفتہ بود غرض چند ماہ گذشت ہمیشہ میفرمودند کہ فرصت نیست قصہ کوتہ قریب یک سال گذشت بعد یک سال در جنگ قلعہ چرگانو کہ قریب کالپی ست در حملہ اول بکمال مردانگی شہید شدند کمال تاسف شد حق تعالی غریق رحمت کند۔

مجلس بست و سوم

در کوہ روزے روبروے برادر صوفی اللہ یار بیگ خان مثنوی پسر تاجر اصفہانی کہ در شاہجہان آباد بموجب فرمایش برادر سبحان قلی بیگ راغب تصنیف نمودہ بودم عرض نمودم بجاے رسیدم کہ پسر تاجر اصفہانی تباہی کشیدہ بنارس رسیدہ در آنجا از سوداگر دیگر ملاقی شد سوداگر مذکور احوال آں پرسید کہ از کجائی و چہ نام داری۔

بگفتا او کہ یا ماہ چگلیستی تو	چہ نامی و از کجائی کیستی تو
نخستین نام پاکت نیز در گو	وزاں پس حالت خود سر بسر گو
بگفتا مولدم از اصفہان ست	ز نام و جاہ من آگہ جہان ست
عباد اللہ مرزا نام دارم	ہمیشہ با تجارت بود کارم
حساب مال من بیروں ز حد بود	شمار دولتم بیروں ز عد بود

حضرت قبلہ موصوف فرمودند کہ اگرچہ شاعر نیستم لیکن قافیہ یک شعر خوب بخاطر

رسیده عرض کردم ارشاد شود فرمودند که این قسم باید گفت ؎

حسابِ مالِ من بیرون ز حد بود　　شمار دولتم افزون ز عد بود

عرض کردم که از حق نباید گذشت واللہ بسیار لفظ عمده ارشاد شد سبب اینکه شعر دو صنعت پیدا کرد یکے اینکه شعر ذو قافیتین شد و دوم برائے شمار لفظ عد بسیار مناسب ست ہماں وقت در دیوان نوشتم۔

مجلس بست و چہارم

در فرخ آباد مرزا مغل علی خاں و میاں حیدر که حیدر تخلص می نمودند و مرزا بریک جا نشسته بودم بنده تعریف شاعری برادر انشاء اللہ خاں نمود و میاں حیدر فرمودند که ایں جانب در لکھنؤ رفته بخدمت اوشاں حاضر گردید عرض کرد که چیزے از مشق خود روبروئے آں قبله میخوانم بنظر اصلاح باید شنید چنانچه یک سلام و دو سه غزل خواندم چند جا اصلاح فرمودند از خاطر اوشاں امتثالاً می گفتم لیکن چیزے تشفی نشد چراکه در دوا نشست من بہاں اشعار ہا جائے دخل نبود گفتم بجائیکه آں صاحب نیامده باشد در ہر شعر که اوشاں میفرموده باشند پر مناسب خواہد بود بقول سعدی ؎

شعر گفتن به زِ دُر سفتن بود　　لیک فہمیدن به از گفتن بود

باز عرض کردم که آں صاحب ہماں اشعار را بخوانند در ہر جا که اوشاں گرفت سخن کرده باشند انشاء اللہ تعالیٰ بنده ہماں عرض خواہد کرد اول ایں سلام خواندند ؎

اے سعادت یاب درگاہِ خدا لیجو سلام ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اے ضیائے دیدۂ خیر الوریٰ لیجو سلام

اے نبی کے جانِ دل اے فاطمہ کے نورِ عین ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ورثہ دار حضرتِ مشکل کشا لیجو سلام

ہرگاہ بریں شعر رسیدند گفتم در ورثہ دار دخل فرمودہ باشند گفتند بلے پس لفظ ورثہ دار

چہ قباحت دارد گفتم ورثہ دار آں را میگویند کہ نزد ہر کس اسباب ورثہ امانت باشد

در ورثہ دار و وارث بسیار فرق ست قائل شدہ ایں غزل شروع نمودند ؎

ہے کہاں اب تو اے سیماں دم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یاد آتا ہے وہ ترا عالم

ہجر میں تیرے ہم پہ کیا گذری ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تجکو معلوم کچھ ہوا اے صنم

ہرگاہ ایں شعر خواندند گفتم در لفظ ہوا اے صنم دخل فرمودہ باشند گفت ایں چہ بدی

دارد گفتم لفظ اے از تنگی نشست یافتہ غرض دو سہ جائے دیگر انچہ اوشاں فرمودہ بودند

یعنی بے کم و کاست عرض کردم بوجہ احسن تشفی شد معقول شدند۔

مجلس بست و پنجم

در لکھنؤ بندہ و برادر انشاء اللہ خاں در سرکار مرشد زادہ آفاق میرزا محمد سلیماں شکوہ

کہ سلیماں تخلص میفرمایند ملازم بودیم باہم آں قدر دوستی و اخلاص داشتیم کہ در تحریر

نمی آید چنانچہ ایں شعر از آنجناب ست کہ در حق بندہ فرمودہ بودند ؎

عجب رنگینیاں ہوتی تھیں تب باتوں میں اے انشا

ہم مل بیٹھتے تھے جب سعادت یار خان اور ہم

روزے خاں صاحب موصوف در حضور مرشد زادہ حاضر گردیدہ غزل تازہ خود خواندند مطلعش این بود ۔

دیکھ اُسکی پڑی خاتم یاقوت میں انگلی — ہاروت نے کی دیدۂ ماروت میں انگلی

بدیہہ بندہ از راہ شوخی عرض کرد کہ اگر ایں مصرع بدارند شعر کمال چستی پیدا کند

بیٹھی ہے پری اپنی پیپے ۔۔۔ میں انگلی

چرا کہ باہم ربط بشدت بود کہ مدام شوخی از طرفین بعمل می آمد خندہا خود کردیم ۔

مجلس بست و ششم

در لکھنؤ روزے میاں جرأت صاحب در حضور حاضر گردیدہ غزل خود خواندند مطلعش این بود ۔

کہیں رونے پہ دلا انکا وہ دے یار نکال — صدف چشم سے مت گوہر شہوار نکال

گفتم حضرت نکال مصرع اول دریافت نمیشود کہ از خانہ یا از شہر اگر ایں قسم بدارند بہتر باشد

ع ۔ کہیں رونے پہ دلا گھر سے نہ دے یار نکال

از انجا کہ میاں جرأت بسیار منصف اند کمال پسند شدند در جواب مطلع بدیہہ ایں غزل را و بروے میاں جرأت گفتم ۔

مجھ پہ کیوں ڈھے ہے تو ہر گھڑی تیور نکال — قتل کی میرے نئی طرح کوئی یار نکال

اپنی گر حسن فروشی ہی سبھے ہے منظور — تو کوئی چھوڑی سی کھڑکی سر بازار نکال

واسطے بوسے کے یوں دل کو رکھا اُسکے حضور
جیسے کیسے سے رکھے زر کو خریدار نکال

عرش تک پہنچی ہو ثواب تو زیادہ اس سے
پیٹ سے پاؤں بنائے کا وشر باز نکال

جان سے جاؤنگا میں تیرا نہ کچھ جاویگا
مجھے محفل سے خفا ہو کے نہ اے یار نکال

میں جو لپٹا تو وہ گھبرا کے یہ بولے کہ سرک
چھوڑ دے مجکو کسی اور پہ یہ پیار نکال

اُسکے فندق کے تصور میں کیے ہجر کے دیں
کوئی لخت جگر اے دیدۂ خونبار نکال

مجلس بست و ہفتم

در لکھنؤ روزے از مرزا حاجی بیگ ملاقات شد او شان مطلع میاں جرات و
مطلع مرزا جیون کہ رضا تخلص میفرمایند رو بروے بندہ خواندند۔

کانوں میں اُسکے پھول نہیں ہیں گلاب کے
ٹکڑے شفق کے پہلو میں ہیں آفتاب کے

مطلع رضا۔

بسنرے ہیں اُسکے کانوں میں اس آب و تاب کے
جیسے کہ برگ سبز ہوں نیچے گلاب کے

گفتم کہ ہر دو مطلع بسیار عمدہ اند فرمودند کہ در جواب آنہا فکر باید کرد بعد تامل بہ تبدیل قافیہ
این مطلع عرض کردم۔

موتی ہیں دونوں کانوں میں اُس خوش نگاہ کے
چھٹکے ہیں پاکہ تارے یہ نزدیک ماہ کے

مجلس بست و ششم

درلکھنو مرزا سبحان قلی بیگ آغب از شاہجہان آباد تشریف آوردند در دیوان خانہ میر منو صاحب مولوی میر مصاحب علی و برادر انشاء اللہ خاں و بندہ برائے ملاقات اوشان رفتیم بعد از پرسش احوال فرمودند شب ایں غزل گفتہ ام ع

بادۂ ناب دلم می خواہد

گفتم مصرع دوم ایں گفتہ باشید۔ ع

عالم آب دلم می خواہد

فرمودند کہ واللہ ہمیں گفتہ ام و فرمودند کہ حسن مطلع این ست ۔ ع

سخت تنگ آمدم از تاریکی

گفتم مصرع ثانی این باشد ع

سیر مہتاب دلم می خواہد

اظہار کردند کہ باللہ ہمیں نوشتم غرض کہ ہمیں قسم از پنج شعر غزل سہ شعر را مصرع ثانی بے کم و کاست فوراً گفتم و دو شعر را مصرع ثانی سوائے نوشتہ اوشاں بہم رسانیدم شخصے گفت کہ شاید اوشاں شنیدہ باشند ہر چند بندہ قسمہا یاد کرد اعتبار نہ کرد و گفت اگر مسودہ بینم یقین گردد و چوں مرزا موصوف برآوردند بموجب گفتہ بندہ دریافت کردہ تعجب نمودہ متحیر ماندند۔

مجلس بست ونہم

درلکھنؤ روزے حضرت مرشدزادہ از محل برآمد نشدہ بودند ابوالحسن خاں وطالب حسین خاں ومرزا نعیم بیگ ومیر انشاراللہ خاں وبندہ ودیگر صاحباں ایستادہ مجرا بودیم از ابوالحسن خاں وبندہ خوش طبعی بحال شوخی بود فرمودند کہ دریں ایام ایشاں دیوان ہزل درجواب صاحبقراں کہ مشتاق ہزل اند گفتہ اند و مطلع اوشاں یاد دارم مثل اوشاں ممکن نیست کہ از شما بہ عمل آید بعد قطع کلام ایں ہر دو مطلع را خواندہ

ہے جی میں کالی جمیا کو ہمخواب کیجیے ‏ ‏ ‏ تیغ ذ—کو اپنے سینہ تاب کیجیے
یوں گرمی دانے ہیں تنے چ—کے آس پاس ‏ ‏ ‏ خشخاش جوں لگی ہو بیچے کے آس پاس

گفتم در شعر اول چہ قباحت ست کہ کسے تیغ را سینہ تاب نمیکند مگر قبضہ می شود و در شعر دوم تامل ست کہ خشخاش را برکلیچہ می چپانند نہ گرد پیش ایں ہم غلطی محاورہ است بعد آں ایں مطلع و حسن مطلع گفتہ عرض کردم کہ اگر ایں قسم میفرمودند بہتر بود—ہ

سینہ تل ہیں یوں اُسکے—کے اوپر ‏ ‏ ‏ کلونجی ہو جیسے کلیچے کے اوپر
نہیں—پہ وشن کی—ل کا بچھا ‏ ‏ ‏ یہ خس کا ہے پردہ در نیچے کے اوپر

پسند کردہ فرمودند کہ کدام غزل ہزل خود بخوانید ایں غزل خواندم۔

نفس اپنا جو یہ ہے شاخ شجر کے مانند ‏ ‏ ‏ —دو اسمیں لٹکتے ہیں ثمر کے مانند
وہ سحر خیز ذ—ہے یہ جنونی جس نے ‏ ‏ ‏ چاک—ل کے کئے جیب سحر کے مانند

اُسنے پھوڑے ہیں عرض لاکھوں ہی ــ ں کے سر | گر زلزلہ ہو نہیں میرے ف ــ کے مانند
ہے وہ ساپچے کا ڈھلا نفس یہ میرا جسکی | جڑ ہے مانند سرا و رسر ہے کمر کے مانند
تجکو دینا یہی لازم ہے کہ لے جھاڑ آمیٹ | ــ تری بہتی ہے اب دیدۂ تر کے مانند
چشم غواص ــ سے کے پوشیدہ ہے | صدف ــ میں ــ ن تیری گہر کے مانند
اسکے ہر کوئی مسافر سا گذر جاتا ہے | ــ تیری ہے بس اک راہگذر کے مانند
تجھ پہ نازک بھی ختم ہے یہ جان یقین | برگ گل کب ہو تری ــ کی گر کے مانند

شب جو منزل میں ہوا نقد ــ سے ریتا
بھر گیا خانہ ــ بدرۂ زر کے مانند

بعد آں تجویز شدند چند مطلع دیگر خواندم ـ

یوں در ــ میں ــ جا کے یہ ناشاد ہوا | جوں قدم رکھتے ہی دروانے پہ شیدا ہوا

دیگر

دھرا ہوں میں نے شب آ ــ کو اسکی نافے اوپر | رکھے جس طرح انگلی کوئی حرف قاف کے اوپر

دیگر

ــ حفیظن کی شگفتہ کیوں نہ ہو گل کی طرح | سبز چھا ــ اس پہ لہرانی ہے سنبل کی طرح

دیگر

شست ــ یوں ہی جا کر ــ کن متصل | جوں پہنچ کر کوئی مر جائے وطن سے متصل

یوں لگے ہیں — اپنے نفس متوالے کے ساتھ   جس طرح سے کوٹھل لگتے ہیں ایک ڈالے کے ساتھ

مجلس سی ام

در لکھنؤ روزے مرشد زادہ آفاق در خلوت رقص ارباب نشاط ملاحظہ میفرمودند میر انشاء اللہ خاں و میاں جرأت و میاں مصحفی وغیرہ چند اشخاص حاضر بودند از حضور ایں مصرع ارشاد شد ع

یک قلم گشت مرا نقشۂ تصویر کسے

ہمہ صاحبان در فکر بودند کہ مصرع دوم بہم رسانند دریں اثنا بندہ رسید مجرا نمودم از حضور ارشاد شد ایشاں مصرع ثانی بہم رسانند فوراً عرض کردم ع

کرد زنجیر بپا زلف گرہ گیر کسے

مجلس سی و یکم

در لکھنؤ قاسم علی شاہ کہ از چیلہ ہائے روزگار حضرت مرشد زادہ راگذاشتہ ترک لباس کردہ اند و از عالم دنیا داری رو گردانیدند بر بندہ مہربانیہا میفرمودند روزے تشریف آوردہ ارشاد فرمودند کہ برائے کار ضروری آمدہ ام عرض کردم ارشاد شود فرمودند کہ ایں وقت نزد مرزا احمد علی خاں نشستہ ذکر ایشاں مینمودم کہ شخصے از مصاحبان او شاں ایں مطلع میاں منتظر کہ شاگرد میاں مصحفی اند خواندہ — ع

نہ تو عشق سے مجھے عشق ہے نہ تو چاہ کی مجھے چاہ ہے

وہ جو بات منہ سے نکالی تھی سو اُسی کا اب یہ نباہ ہے

مرزائے موصوف پسند کردہ فرمودند کہ شاہ صاحب تعریف رنگیں این قدر کردہ اند شوق ملاقات اوشاں از حد افزوں ست ہمیں وقت اوشاں را بیارید از اوشاں در جواب این مطلع غزل خواہم کنانید تا امتحان شود این فقیر از مزاج من آگاہی داشت عرض کرد کہ نخواہند آمد اگر بفرمایند غزل از اوشاں نویسانیدہ بیارم فرمودند کہ بہتر پس آمدہ گفتند ناچار بپاس خاطرش گفتم گفتم کہ غزل خاطر خواہ خود نشدہ۔

نہ تو بتکدے ہی کی چاہ ہے نہ تو کعبے پر ہی نگاہ ہے

یہ جو شخص نامہ سیاہ ہے اسے اپنے دل ہی سے راہ ہے

نہ تو کچھ کلیجے میں درد ہے نہ کچھ اپنا رنگ ہی زرد ہے

مگر آہ لب پہ جو سرد ہے تو یہ ایک ڈھب کی کراہ ہے

نہ تو معتقد ہوں میں ذات کا نہ ہے دھیان مجکو صفات کا

میں تو قائل اپنی ہی اُن بات کا کہ ہمیشہ جس کا نباہ ہے

نہ تو ربط مجکو ہے عام سے نہ غرض ہے کچھ نہ مجھے نام سے

مجھے کام اپنے ہی کام سے یہ مرا حق ہی میرا گواہ ہے

نہ تو اپنے جی کا اُسے خطر نہ ہے اپنے حال کی کچھ خبر

سرو عشق و رنگیں ہے مگر نظر تو وہ کوہ اور یہ کاہ ہے

مجلس سی و دوم

در لکھنو در حضور مرشدزادہ منشی میر حسین کہ منشی تخلص میفرمایند این مطلع میاں مصحفی را عرض کردند۔

او دامن اُٹھا کے جاتے والے — ٹک ہم کو بھی خاک سے اُٹھالے

صاحب عالم در جواب مطلع بدیہی ارشاد کردند۔

او تاج شہی کے رکھنے والے — عقبے کے لئے بھی کچھ کما لے

من این مطلع عرض نمودم۔

دل کو کوئی کس طرح سنبھالے — یہاں جان کے پڑ رہے ہیں لالے

مرزا نعیم بیگ کہ جوان تخلص سکینند فوراً عرض نمودند۔

مت بکیو زیادہ اور جالے — ہونٹوں میں چوچاپے ٹر ٹراپے

مجلس سی و سوم

در لکھنو روزے بوقت دوپہر خلاف عادت در دیوان خاص رفتم دیدم کہ حضور مرشدزادہ تنہا در کمال فکر و اندیشہ نگران بجانب گلشن بودند مجرا نمودہ عرض کردم تحیر از چیست ارشاد شد کہ میخواستم کہ استراحت نمایم یک بیک مصراع بخاطر گذشت خواستم کہ مصراع ثانی خاطرخواہ بہم رسد اتفاق نشد بکمال بیقراری در فکر مصراع ثانی بودم

عرض کردم ارشاد شود فرمودند

منزل عشق ہے سخت اے دلِ رنجور دراز

گفتم۔

تجھ میں طاقت نہیں مت کر سفر دور دراز

شخصے از خواصان عرض کرد کہ دریں مصراع غلطی روزمرہ است یعنی در لفظ دور و دراز
واو عطف ضرور است گفتم در بدیہہ جائز ست حضور فرمودند درست ست۔

مجلس سی و چہارم

در لکھنؤ روزے حضرت صاحب عالم در باغ فتح علی خاں کہ جائے تحفہ است
برائے سیر رونق افزا شدہ بودند در اثنائے راہ ایں مطلع ارشاد شد

نہ تو سیرِ گل کا دماغ ہے نہ جہاں سے رنگ فراغ ہے
یہ جو اپنے سینے کا داغ ہے یہی گل ہے اور یہی باغ ہے

انشاء اللہ خاں و بندہ بر یک فیل ہمراہ رکاب حاضر بودیم بسیار تعریف نمودیم کہ چہ
قافیہ در مطلع بکمال چستی نشست یافتہ فرمودند کہ در جواب ایں فکر باید کرد عرض کردم
بشرط تبدیل قافیہ انشاء اللہ خاں ایں مطلع عرض کردند

نظر اپنی اُس سے جو لڑ گئی تو وہ چتون آنکھوں میں گڑ گئی
شہ دل میں ایسی ہی اڑ گئی کہ جو بات تھی سو ٹھہر گئی

من این دو شعر عرض کردم ـ ؎

یہ دل اپنا جسکا غلام ہے ابھی قاتل اسکا ہی نام ہے
اُسے ہم سے چھیڑ مدام ہے ہمیں کام اپنے سے کام ہے
مرا دم تو آیا ہے ناک میں نہیں باقی ذرہ ہلاک میں
مجھے یوں ملا دیا خاک میں ارے عشق تجھ کو سلام ہے

مجلس سی و پنجم (۳۵)

در لکھنو بہ شادی پسر رام رتن مودی پادشاہی بندہ و ابو الحسن خاں بہ پشت بام نشستہ بودیم در روبروے مجلس زن مہتاب نام طوائف واقعی بہتر از ماہ بود بکمال خوبی مجرای نمود چوں طرف او نگاہ کردم دل از دست رفت بدیہہ این مطلع گفتم و بآواز بلند از بیقراری خواندم ـ ؎

تھی شعلہ یا وہ برق کہ جی میرا جل گیا   ایسی ہی کی نگاہ کہ بس دم نکل گیا

مجلس سی و ششم (۳۶)

در لکھنو روزے بہ دربار مرشد زادہ می رفتم مرزا نعیم بیگ جوان از دربار برآمدہ می رفتند در راہ ملاقی شدند گفتند کہ ہمیں وقت مطلع گفتہ ام ـ ؎

سیہ خال اس طرح سے ہیں گے اُسکی ناف کے اوپر   دیئے ہوں میر علی نے جیسے نقطے قاف کے اوپر

و انشاء اللہ خاں ایں مطلع گفتہ ؎

دھرا جب نقد دل ہم کھول اُسکی ناوک کے آگے ۔ تو پھیریں کیوں نہ ہاتھ اُس سینۂ شفاف کے اوپر

گفتم ہر دو مطلع خوب‌اند و در مطلع سامی عین علی از تنگی نشست یافتہ اگر مناسب باشد

ایں قسم باید نوشت

رشید اُن نے دیکھا ہوں جیسے نقطے قاف کے اوپر

پسند فرمودند و گفتند کہ شما ہم دریں زمین فکر نمائید گفتم ؎

پڑی یوں میری اُنگلی شیشہ کو اُسکی ناوک کے آگے ۔ کہ جیسے کاف کا مرکز ہو گل کے کاف کے اوپر

مجلس شصت و ہفتم

در لکھنؤ روزے میاں جرأت بحضور حاضر گردیدہ ایں مطلع عرض کردند ؎

کب تلک اے یار جدائی میں رہوں من مارے ۔ آ گلے اے کاش وہ آکر مجھے گردن مارے

در جواب از حضور ارشاد شد ؎

کاش اک کھینچ کے تیغ دم رفتن مارے ۔ نام جانے کا نہ لے اور مجھے گردن مارے

میر انشاء اللہ خاں ایں مطلع عرض کردند ؎

کیوں نہ وہ شوخ مجھے کھینچ کے سمرن مارے ۔ میں نے بھی پھول کئی جانب چلمن مارے

بندہ ایں مطلع گفت و بعد آں غزل ؎

در پئے اس شوخ کے ہم بیٹھے ہیں آسن مارے ۔ خواہ بخشے ہمیں اب خواہ وہ گردن مارے

تمامی غزل در دیوان نوشته است ـ

مجلس سی و ہشتم ۳۸

در لکھنؤ روزے انشاء اللہ خاں نزد بندہ تشریف آوردہ ایں مطلع غزل طرحی

خود خواندند ـ ؎

توڑونگا خم بادۂ انگور کی گردن ۔ رکھدونگا وہاں کاٹ کے اک حور کی گردن

بندہ ایں مطلع و حسن مطلع گفت ـ

سانچے میں ڈھلی ہے یہ تری نور کی گردن ۔ گردن کو تری پونچھے ہے کب حور کی گردن

کیا دست قضا نے یہی قسمت میں لکھا تھا ۔ دھڑ سے نہ ملے اس تیرے منفور کی گردن

مجلس سی و نہم ۳۹

در لکھنؤ روزے صاحب عالم در دیوان خاص رونق افزا بودند منشی میر حسین نعیم بیگ و بندہ استادہ بودیم انشاء اللہ خاں حاضر شدہ مجرا نمودند فقرہ بے نقط را بطور لطیفہ در فارسی گفتند ارادۂ مسہل دارم سائل در جواب بے نقط شدند فوراً از حضور ارشاد شد کل لو میر حسین بزبان عربی بے نقطا گفتند کہ اولی واحد بندہ بزبان ترکی جواب داد کہ آل یعنی بگیر نعیم بیگ در معنی جواب بندہ فرمودند کہ صنعتے برآوردم لفظ بگیر چہار حرف ار دو وے بے نقط و دو نقطہ دار ایں اگنگا جمنی باید گفت

مجلس چہلم

در لکھنؤ شیدہ را از زنکہ طوائف حالت عشق بود از پاس خاطر آں از صاحب
خانہ او ربط داشتم و گاہے برائے دیدن او میرفتم مقدور سے نبود کہ وصل آں میسر آید
و ایں راز را بکسے اظہار نکردم ہمدریں عرصہ دو سال گذشت روزے از صاحب
اجازت رخصت بشاہجہان آباد گرفتہ روانہ شدم برائے رخصت بخانہ آں رفتم بسکہ غلبہ شوق
طالب بود بمجرد رسیدن بخانہ او زار زار گریستم بے محابا آہ سرد کشیدم صاحب خانہ از
پرسید کہ حالت از بہر کیست مطلع حسب حال خود خواندم۔

دیکھتے ہی شکل سب جاتا رہا ہم یاد سے — حال دل کیونکر کہوں اس خانماں برباد سے

او گفت در اینجا از مدت تشریف می آرند نگفتند کہ از فلانے تعشقے دارم بعد آں ایں
غزل بر دیوار خانہ نوشتم۔

اب ہوئی ہمکو سخت حیرانی — چاہ چتون سے اُسنے پہچانی
نہ رہا میرے پاس پردہ رہا — دل کی ہر چند کی نگہبانی
جی کی بات اپنے رہ گئی جی ہیں — یوں یہاں سے چلے ہم اے جانی
دیکھیے پھر خدا ملا دے کب — ہم کو اس فکر نے کیا فانی

جی میں آیا تھا کچھ کہیں لیکن
تم نے رنگیں کی قدر کیا جانی

مجلس چہل و یکم

در لکھنؤ روزے حضرت مرشد زادہ در باغ لکھپیڑہ فتح علی خاں رونق افروز
بودند برادر حقیقی اللہ یار بیگ خاں و طالب حسین نعیم بیگ باہم نشستہ بودیم
بندہ اوراق را ہمی نوشتہ سوختہ علی بیگ کہ داروغہ اصطبل حضور بودند آمدہ اظہار
کردند کہ یک شعر ابوالحسن خاں یاد بود مصرع اول فراموش شد مصرع ثانی این است

سر پہ پائی خصل گل اور پاؤں میں زنجیر ہے

فوراً این مصرع بخاطرم گذشتہ۔

اے دل دیوانہ کہہ اب کیا تری تدبیر ہے

مجلس چہل و دوم

در لکھنؤ روزے بخانۂ نعیم بیگ ارو گردیدیم اوشاں اظہار کردند کہ شب یک
نقل شنیدہ ام شما این را نظم کردہ دہید گفتم ارشاد شود تمامی احوال بیان کردند بندہ
آنرا نظم کردہ در ساچیاد رنگیں نوشتہ۔ ع نقل کرتے ہیں مسافر ایک تھا ؏

مجلس چہل و سوم

بہ فیض آباد در محفل نواب مرزا تقی نشستہ بودیم میر حسن کہ خلیق تخلص میفرمایند

تم رات کو کبھی آ کے نہ اپنے قرار پر　　یہ ظلم تم نے کیا کیا اس بے قرار پر

فوراً در جواب دو شعر گفتم ؎

ہم جوں چکور غش ہیں آجی آئے یار پر　　بلبل کی طرح جی نہیں دیتے ہزار پر

پابوس یار کی ہمیں حسرت ہے اے نسیم　　آہستہ آئیو تو ہمارے مزار پر

مجلس چہل و پنجم

در بنارس بخدمت نواب نصیر الدین خاں پسر نواب علی ابراہیم خاں مالک عدالت آنجا بسیار بندگی داشتم روزے واجد علی خاں و حکیم جعفر و بندہ و چند اشخاص دیگر در خلوت نشستہ بودیم ہر یک در سخن گوائی دستگاہ خوب داشت نواب موصوف ذکر شاعری مرزا رفیع بر آوردند و تعریف میکردند شخصے دراں میاں کہ از بندہ کدورتے داشت سخن تا بانیجا رسانید کہ مثل اوشاں ممکن نیست کہ پیدا شود گفتم کہ شاعران سابق و حال در دسر ناحق پیدا کردہ اند و گفت ؎

حریفاں بادہ ہا خوردند و رفتند　　تہی خمخانہ ہا کردند و رفتند

گفتم ایں را ایں طور شنیدہ ام ؎

حریفاں بادہ ہا خوردند و مستند　　تہی خمخانہ ہا کردند و مستند

گفت بجا اند چوں مکرر تکرار کرد ایں شعر سعدی خواندم ؎

جہاں راند ارند بے کتخدا　　یکے چوں رود دیگر آید بجا

گفت ایں در حق پادشاہاں ست گفتم ایں در حق شاعراں باشد ؎

ہنوز آں ابر رحمت دُر فشان ست　　خم و خمخانہ با مہر و نشان ست

گفت در کلام اوشان غلطی محاورہ و خلل الفاظ اصلاً نیست و لہجۂ اردوئے معلی را جلا
دادہ اند و ملک الشعراء گذشتہ و حکم آیت و حدیث دارد و در اشعار ہاے دیگر شاعراں
چند نقصان ست گفتم مقدمۂ شاعری بسیار مشکل و رطب و یابس در کلام ہمہ ست ؎

شعر گر اعجاز باشد بے بلند و پست نیست　　در ید بیضا ہمہ انگشتہا یکدست نیست

گفت ایں سواے مزار قبیح در حق شاعران دگر ست ازیں سخن تا بہ نیاوردم و گفتم
کہ مطلع و مقطع غزل اوشاں یاد دارم ؎

نگر آباد ہیں بسے ہیں گانو　　تجھ بن اُجڑے پڑے ہیں اپنے بھانو
قیس و فرہاد کا نہیں کچھ ذکر　　اب تو سودا کا باجتا ہے نانو

قطع نظر از لفظ نگر و تجھ بن و بھانو قافیہ مقطع را باید دید کہ نام را نانو گفتہ ازیں ایں کلام
عربی و ترکی نیست کہ در فہم نیاید زبان روزمرہ است گفت کہ اگر در دیوان در یک غزل
از غلطی او سہو شدہ گفتم شعر دیگر یاد دارم ؎

ساقی سہیں کو تری دیکھ کے گوری گوری　　شمع مجلس میں پڑی جاتی ہے تھوری تھوری

گفتم بر قافیہ غور باید کرد گفت در زبان بھاکا رسے را آتے میگویند و بدل میکنند گفتم
در وضع گورا حافظہ نمی باشد اوشاں در زبان ریختہ غزل میگفتند یا در بھاکا مشق
میکردند مطلع دیگر یاد دارم ؎

عاشق تو نامرادہی بس اس قدر کہ ہم　　　　دل کو گنوا کے بیٹھ رہے صبر کرکے ہم

گفتم بر قافیہ این غور باید کرد بعد قطع کلام نواب صاحب بندہ را پسند بودند۔

مجلس چہل و ششم

در بنارس بندہ و برادر مرزا ابراہیم بیگ کہ با بندہ دوستانہ کلی اند و تخلص چند روز ہما

ملوالفت گشتند بودیم صحبت اختلاط گرم بود ازاں میاں یک نان کہ دست بندہ را

گرفتہ پرسید کہ بر دست ایشاں نگل برائے کیست پیش او ایں اشعار خواندم ؎

اس اپنے ہاتھ کے گل کی کہوں کیا اک کہانی ہے　　　　نشانی اسکی چھلا تھا یہ چھلے کی نشانی ہے

مجلس چہل و ہفتم

در بنارس روزے مرزا الٰہی بخش کہ از دوستان مرزا ابراہیم اند و از چندے بر رفاقت

مرشد زادہ ترک لباس نمودہ اند ایں مطلع میر حسن مرحوم رو برو ے بندہ خواندند ؎

تجھ کہاں یہ کہ کہوں آیئے اور سو رہیے　　　　خوب گر نیند ہے تو جایئے اور سو رہیے

در جواب ایں مطلع گفتم ؎

میری چھاتی سے لپٹ جایئے اور سو رہیے
آیئے آیئے بس آیئے اور سو رہیے

تمام غزل در دیوان ست۔

مجلس چهل و ششم

در عظیم آباد بخانهٔ میر غلام علی خاں وارد گردیدم در شهر شهرت شد که شخصی شاعر
از شاهجهان آباد آمده است روزی پنج شش شاعران رسیده نزد بنده نشستند
شخصی از شاگردان میر ضیاء الدین که صبا تخلص میکنند و مشق از مرزا رفیع دارند با پنج
چهار کس دیگر رسیدند و بعد نشستن فرمودند که در شعر دستگاهی خوب داری و اکثر در
کلام هر یکی قباحت می برآری میخواهم که چیزی از ایشان بشنوم و از کلام استاد خود
بخوانم تا در آں قباحت برآرند گفتم من عیب جوی خلق الله نیستم و خود را مبتدی
می انگارم هر چند عاجزی و کسر نفسی نمودم سود نکرد گفت از اشعار خود بخوانید این غزلم

ســه کر رات ہوئے آپ ہیں مہماں ہمارے　　کب تمنے نکالے کبھو ارماں ہمارے

چوں تمام نمودم تحسین نکرد گفت مطلع میر ضیاء الدین میخوانم در آں قباحتے برآرند والا
احوال شاعری و شعر فهمی سرکار فسق ست مطلع خواند ســه

بلبل کو چپکی لگ گئی و گل بھی ہنسنا بھولے　　گلشن میں کون آیا جو یہ شگوفے پھولے

گفتم مصرع آخری خوب ست گفت مصرع اول بد گفتم مصرع ثانی چیست گفت
مصرع اول سست دیدم که تیغ سخنم نمی پرد دانستم در سینه ام تراشه نمیکند گفتم بلے که

آہن بہ آہن تواں کرد نرم

گفت چگونه گفتم چپکی لگ گئی نه فهمیده ام گفت یعنی چپ لگ گئی گفتم این نثر کرا رشاد

می شود زبانِ اہل کشمیر ست گفت او در بحر چگونہ موزون شود گفتم در خیالش نیامد والا
ایں طور می شد

بلبل کو لگ گئی چپ اور گل بھی ہنسنا بھولے

باز گفت کہ شعر سرو ست بزبان آمد گفت اگر دریں شعر قباحتے بر آرند بدانم ــ

ڈبڈبائی آنکھ آنسو تھم رہے ہے کاسۂ نرگس میں جوں شبنم رہے ہے

گفتم در شعر ہندی ہر جا تمثیل می آرند معمول ست کہ مقابل جون یوں ایسے جیسے وراں
طرح جس طرح ضرور می آرند کہ شعر بے رونق نہ گردد چنانچہ غزل بندہ است ــ

سیہ خال اُس کے یوں رخسار پر ہیں کان کے آگے
ملنگ اڑ جاتے ہے جیسے کسی دوکان کے آگے

غزل تمام در دیوان است گفت آں لفظ در بحر گنجایش نداشت گفتم ایں قسم میتواں شد

اشک آکر چشم میں یوں تھم رہے ہے

گفت لفظ ڈبڈبا از دست می رفت گفتم ایں قسم باید گفت ــ

ڈبڈبا کر اشک پھر یوں تھم رہے ہے

سوائے ایں مصرعِ ثانی را چہ باید کرد کاسۂ نرگس سرنگوں میباشد شبنم دراں چگونہ
قرار گیرد بمجرد شنیدن ایں آواز آفریں از مجلس برخاست و مدعی وقت یافتہ گریخت

مجلس چہل و نہم

در عظیم آباد در انجا وارد گردیدم کاظم علی خاں پسر نواب فخر الدولہ از کمال تیاری

ضیافت بندہ فرمودند ارباب نشاط و مردم دیگر بسیار بودند بعد فراغت طعام و رقص و
ذکر شعر شاعری بمیان آمد خان موصوف فرمودند کہ چیزے از تصنیف خود بخوانید اشعار خواندم

ہوا نکلتی ہے جراح زخم سینے سے
لیں اب تو ہاتھ اٹھا ظالم اسکے سینے سے

تمام غزل در دیوان ست محمد قلی خان کہ راغب تخلص میکنند تشریف داشتند بعد اتمام
غزل گفت کہ مراد در مطلع غزل تامل ست گفت ہر گاہ کہ از زخم ہوا بر می آید می میرد پس
بعد مردن چگونہ این مصرع بر آمد گفتم جائے تامل نیست مضمون بیش پا ست اگر ایشان بشنوند
ہزار شعر ہندی و فارسی در سند بخوانم یکے این ست

مردہ ام لیک نغم رشتے تو دیدن باقیست
از فراق تو ہنوز آہ کشیدن باقیست

کاظم علی خان از بندہ فرمودند کہ محمد علی خان در نشاء شراب بند اتصاحب گران خاطر نشوی گفتم چیزی نیست

مجلس پنجاہم

در عظیم آباد از طوائف زینت دلبستگی داشتم روزے بخانہ او نشستہ بودم خواستم
کہ برخیزم رفتن نداد یک بار این مطلع خواندم

ہو مجکو جو رخصت تو ابھی ہو کے پھر آؤں
جا گھر کو یہ کہہ منہ سے میں صدقے ترے جاؤں

گفت کہ صلاح شعر ہمین ست کہ بود

مجلس پنجاہ و یکم

در عظیم آباد ببر علی خان بسیار دوست بندہ بودند و از کیفیت و ہرہ شوق زیادہ داشتند

پیش ایشان بندہ ایں کبت خواندہ

چاو نہیں گھ بیٹھ رہو کن پاری ہونیچ بٹھاون کو
آنے دے تو ہیگی البیلی للا انھیں کون کہے سمجھاون کو
ان کے رس باس رس ریت نہیں رس ریت ہو ریت جتاون کو
اے جی پیاسے کنواں پر جاتے ہتے نکہ آوسے کنواں موہے پیاون کو

اگرچہ بندہ دریں فن دستگاہے نداشت برائے تفنن طبع ایں کبت بدیہہ در جواب گفتم

ایسے ہیں پیتم موسے روس رہے ہیگی ٹھاری ہو جاوں سنے لاؤ سکھی
انکھیل ہیں بے البیلی للا ون ہیں کو نو طرح سمجھاؤ سکھی

بمجرد شنیدن ایں را نوشتہ گرفتند و گفتند چند دوہرہ بخوانید چند دوہرہ خواندم۔

رنگیں رہا کل رہت ہیں جب سے لاگی پیت
پیم نگر کی اے سکھی دیکھی الٹی ریت
رنگیں آئے نہ آئے سکھی بھلے گئے پردیس
نگر نگر اب ڈھونڈھتی کر جوگن کا بھیس

مجلس پنجاہ و دوم

در عظیم آباد کہ میلہ کھاٹوں می شود در آں تمام مردم وضیع و شریف و زن و مرد در باغھار رفتہ چند روز می مانند و رقص و تماشا می بینند بندہ را کہ از چندیں صاحبان آنجا ربط شدہ بود با ہم در سیر کھاٹوں بہ باغھار رفتہ گلگشت می نمودم بمکانیکہ نواب شجاع قلی خاں ولد نواب منیر الدولہ نشستہ بودند روبروے اوشاں امام بخش بھانڈ کہ در شوخی رقص

وخواندن آفت زمانہ بود و نقلہا عجیب عجیب میکرد بھانڈ مذکور بخدمت نواب عرض
نمود کہ غزل ریختہا بسیار شنیدہ اند اگر حکم شود ریختی بخوانم فرمودند ریختی چہ معنی دارد عرض
کرد کہ رنگین نام شاعرے در شاہجہان آباد دریں ایام ایجاد کردہ است یعنی بزبان بیگمات
غزلہا گفتہ ریختی نام نہادہ است ـ

ٹیس پیڑو میں اٹھی اوہ مری جان گئی　　　　ست تجکو دوگانا تیرے قربان گئی

اشخاصان کہ دراں تماشا ہمراہ بندہ بودند پرسیدند کہ ایں تصنیف ایشان ست گفتم بلے
یک دیوان گفتہ ام مع قصیدہ مثنوی و فرد و رباعی قطعہ و مخمس و مستزاد بسیار
خندیدند القصہ نظر نواب صاحب رسانیدند طلبیدہ بہ تواضع پیش آمدند و نزد خود جا داد
و از بندہ فرمودند کہ ایں ریختی ایجاد ایشانست گفتم بلے امام بخش را طلبیدہ بہ بندہ گفتند
کہ کدام غزل ریختی دیگر بخوانید ایں غزل خواندم ـ

مجھ پہ طوفان دھرے چاہ کا چل دور دوا　　　　جھوٹ سے منہ کا تیرے جائیگا اڑ نور دوا

ایں غزل نویسانیدم امام بخش عرض کرد اعتبار نیست شاید کسے دیگر باشد غزل تازہ
ہمین وقت بگویند فی الفور ایں غزل گفتم ـ

شکل جو آپ کی یاد آتی ہے　　　　تو اچی روح نکل جاتی ہے

وہ تو موئی نہیں سنتے ہے کلم بخت

بات جو دل کو مرے بھاتی ہے

ایں غزل در دیوان ست ـ

مجلس پنجاہ و سوم

در مرشدآباد بخانہ حکیم رضا قلی کہ اوشان حکیم تخلص میفرمایند و شاگرد میر سوزند ہمراہ محمد خاں وارد گردیدند و ذکر اشعار میر مذکور بمیاں آمد در وصف ایشان سخن بانجا رسانیدند کہ برابر بول چال آنہا کسے نیست شخصے از میان گفت کہ در کلام میر سوز لفظ قباحتے کہ بطرف خود ہا بہ میشود می آیند گفتم در کلام اوشان دگر قصور ست شگفتہ بر آشفتہ گفتند کہ قطعہ از اشعار او یاد آمدہ است از نقصان اطلاع دہند گفتم چہ ضرورست کہ بے ادبی در کلام بزرگ میشود معاف دارند ہر گاہ بجد شدند و ایں قطعہ خواندند ؎

میں کہا دل میں درد ہو میرے — ہنس کے کہنے لگا خدا نہ کرے

پھر جو کچھ جی میں آگیا تو کہا — ہاہیں پیٹے اگر دوا نہ کرے

گفتم در مصرع اول میں کہا غیر فصیح ست و در مصرع دوم دریافت نمی شود کہ کلام کس خندیدہ گفت

ہنس کے کہنے لگا خدا نہ کرے

اگرچہ خطاب بمعشوق ست لیکن پوشیدہ است۔

پھر جو کچھ جی میں آگیا تو کہا

بہ دریافت نمی شود کہ در دل کدام ست و در مصرع چہارم لفظ پیٹے استعمال زبان زنان ست مرداں لفظ پیٹے بر زبان نیارند روز دوم چند قطعہ در جواب آں گفتم پسند فرمودند

قطعہ

روٹھ کر میں جو اٹھ چلی رنگیں ہو کے وہ بیقرار دوڑ سے آئے
لگ کے چھاتی سے پھر لگے کہنے ہمیں ہی کرے جو آگے جائے

قطعہ

میں نے پوچھا کہ جانتے ہو مجھے بولے رنگیں کہ ہم تو بھول گئے
ان کے منہ سے یہ بات سنتے ہی بس مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے

مجلس پنجاہ و چہارم

در مرشد آباد مرزا کچھو کہ با بندہ دستار بدل شدہ اند پسر ناصر محمد خاں از طرف نواب ببر جنگ پسر نواب مبارک الدولہ کہ صوبہ دار مرشد آباد است شعر میر تقی را نزد بندہ خواندہ امتحاناً فرمایش جواب کردند

کیا کہیں اپنی سخت جانی کی ہم نے مر مر کے زندگانی کی

بدیہہ در جواب ایں مطلع گفتم و در کلکتہ رسیدہ غزل سرانجام نمودم

روح نے جسم پر گرانی کی اب یہ حالت ہی ناتوانی کی

مجلس پنجاہ و پنجم

در مرشد آباد مرزا لکھو کہ از دوستان مرزا کچھو بودند مطلع میاں نثار پیش بندہ خواندند

وداد خواستند ـ ؎

بولا جو پکار امیں کیا خانہ خرابی کی | ہیں کس پہ یہی آرزینا کیوں تمنے شتابی کی

بندہ فی البدیہ دو شعر گفت ـ ؎

اشک آنکھوں سے برسائے اور چشم گلابی کی | اس دل سے الکنے نے کیا خانہ خرابی کی

کچھ شعلے سے اٹھتے ہیں یا جی کو جلاتے ہیں | سینے میں مرے دل ہے دوکان کبابی کی

مجلس پنجاہ و ششم

در مرشدآباد مردمان برائے بیڑہ در کشتیہا سوار شدہ میروند تمام شب ہزار ہا بجرہ و پالکی و گھڑ دوڑ و گھی و سہ دریا میکردند ہمہ چیز در آنہا مہیا می باشد ہر کس تماشائے آتشبازی و روشنی می بیند و بیڑہ مثال تعزیہ صدہا بیڑہ از بانس درست کردہ زیر آنہا کوزہائے گلی میچسپانند سی سی گز طول و پانزدہ پانزدہ گز عرض و شش گز دو منزلہ سہ منزلہ تیار می نمایند و پائین و بالائے آنہا چراغہا و کنولہا و اندرون فرش و روشنی شمعہا کہ از میان آنہا و مہتاب و آتشبازی سر میشود و جھاڑہائے بلورین و پوشش از تمامی و پارچہ وغیرہ می کنند و در آں رقص می نمایند و از بیائے سقف آتشبازی انار و چھچھوندر وغیرہ سر میشود درازی مرشدآباد و بنگلہ شش کروہ ست درمیان ہر دو شہر ہا از روشنی و بیڑہا یک وجب جائے خالی نمی ماند بندہ ہم در یک کشتی سوار گشتہ سیر می نمود در یک بجرہ مراد بخش طوائف پیش کسے عمدہ غزل جرأت می خواند ؎

روز غم آگ لگ اُٹھنے کا یہاں ہوتا ہے   جس محلے میں ترا سوختہ جاں رہتا ہے

بندہ را خوش آمد در جواب مطلع غزل گفتم

اُسنے پوچھا کہ ترے درد کہاں رہتا ہے   دل پہ رکھ ہات کہا میں نے یہاں رہتا ہے

مجلس پنجاہ و ہفتم

در کلکتہ چندے اوقات بسر کردہ ارادہ حج کردم نود روپیہ کرایہ صرف ذات خود دادہ در جہاز نشستہ در عرصہ ہشت روز از کیجوریا و کیلا کانجی کہ نام آب ست گذشتہ بسرحد دریاے شور کہ از کلکتہ دو صد کروہ ست در روز نہم جہاز در راہ میرود و در جہاز کہ بندہ نشستہ بود نود گز طول و بیست گز عرض و بیست گز بلندی بود جہاز ہر قدر کہ طول دارد چہارم حصہ بلندی و عرض دارد و خلاصی برآں بسیار و سہ مستول و در ہر مستول دہ دہ بادبان رستہ گندگی مستول آں قدر کہ در بغل جوان نیاید و ریسمان لنگر از موہاے ناریل بصد گز درازی دو جیب در گندگی و لنگر آہنی سی من وزن دارد و ایک منی بار جہاز می بردارد و نصف مال تجارت و باقی بار خورش و آب و غیرہ سرانجام جنگ و ناخدا و چہار معلم بودند صعوبات بسیار کشیدم از ہیجان صدمہ دوران سر شدہ بود و خوراک خشکہ و ماہی بے روغن و بے نمک و آب قدر کہ تشنگی ہم نمی رفت و از آب شور خارشت پیدا شدہ بود و از زندگی سیر آمدہ بودم شیخ کریم اللہ در جہاز ہم سفر بود تمر ہندی می خوردیم و از خارشت بجان آمدیم در آں وقت ایں شعر گفتم

دم آیا ناک میں اس کے اور زاری کے جینے سے طبیبو موت ہی بہتر ہے بیماری کے جینے سے

غزل در دیوان ست و ناخدا گفت کہ امسال بجہہ نخواہم رفت تجارت بصرہ خواہم کرد

ما کہ ارادہ حج داشتیم سنت نمودیم بر ما یان رحم آوردہ از مندراج باز بہ کلکتہ روانہ کرد

از مکانیکہ برگشتیم کعبہ چہل روز راہ ماندہ بود حق تعالی عذاب جہاز بکسے نصیب نکناد۔

مجلس پنجاہ و ششم

در کلکتہ روزے برائے سیر سڑک بیاربی بی صاحبان انگریز بر بگھی و پینس وغیرہ

سوار شدہ برائے ہوا خوردن میرفتند رفتہ بودم شخصے در بازار مطلع مرزا رفیع میخواند سہ

گو غنچہ ساں گرہ میں نہی جمع زر کرے آخر برنگ گل ہو پریشاں سفر کرے

بندہ فی الفور ایں قطعہ گفت۔

جو کوئی آکے باغ جہاں کی بہار میں اک دم بھی مثل باد صبا کے گذر کرے

رنگیں بقول حضرت سودا خزاں سے وہ آخر برنگ گل ہو پریشاں سفر کرے

مجلس پنجاہ و ہفتم

در کلکتہ دو شخص بر اشعار میر تقی نزاع داشتند یکے میگفت کہ در صفت فرشان

مرزا رفیع گفتہ است سہ

سودا تو اس غزل کو غزل در غزل ہی کہہ ہونا ہے تجھ کو میر سے اُستاد کی طرف

دومی گفت این ہجو پیچ ست مرزا گفتہ ؎

نہ پڑھیو یہ غزل سودا تو ہرگز میر کے آگے
وہ ان طرزوں سے کیا واقف وہ ایدا ز کیا جانے

ہر دو نزد بندہ آمدہ یکے گفت شستگی الفاظ و محاورہ او شاں خوب است یکے این شعر خواند ؎

دیر و حرم میں کیونکہ قدم رکھ سکوں ہیں میر
ایدھر تو مجھ سے بت پھرا اودھر خدا پھرا

و گفت شستگی الفاظ ملاحظہ فرمایند بندہ گفت او شان الفاظ را در شعر بہ تنگی نشست میفرمایند
شخص اولیں گفت این گل دیگر شگفت و گاو گیر بندہ شد ہر چند خود را کشیدم مخلصی ندیدم
ناچار این دو شعر میر خواندم ؎

سارے رند اوباش جہاں کے تجھ سے سجود میں رہتے ہیں
بانکے ٹیڑھے ترچھے تیکھے سب سے تجھ کو امام کیا

کیسا کعبہ کس کا قبلہ کون حرم کیسا احرام
کوچے کے تیرے باشندوں نے سب کو یہیں سلام کیا

مجلس شصت و ششم

در ڈھاکہ مرزا علی تجارت پیشہ اند و شوق شعر دارند بخانہ او شان رفتم و در عین
اختلاط یک نقل پوربیہ بیان کردم تمام نقل شنیدہ محظوظ شدند کہ ہمیں وقت در نظم گفتہ و
بخاطر شان نظم کردم بہ اتفاقاً پوربی بہ یا ردو—
در ایجاد رنگینی ملاحظہ فرمایند—

مجلس شصت و یکم

در جہانگیرآباد روزے نزد مرزا علی مع چند شخص دیگر نشستہ بودیم مرزا فرمودند کہ کدام مخمس بخوانید خواندم۔

اُسکی وصل پر موقوف اپنی زندگانی ہے — دم کا کیا بھروسا ہے یہ جہان فانی ہے
آرزو ہے ملنے کی عالم جوانی ہے — ہجر کی اندھیری شب کیا غضب ڈرانی ہے
آج اُس کا یہاں آنا عین مہربانی ہے

تمام در دیوان ست مع مخمس دوم گفتم۔

مجلس شصت و دوم

در ڈھاکہ مرزا عزیز و شیخ ہدایت اللہ و میر جاگن و بندہ در کشتی سوار بودیم مرزا گفتند کہ آن صاحب چند شاگرد دارند گفتم موت ذکرده کس باشند گفتند در شاہجہان آباد زن ہم شعر میگویند گفتند کہ چیزے از شعر زنان بخوانید او لاچند شعر میر سید علی غمگین خواندم

یہ داغ عشق نہ ہو دور اپنے سینے سے — کہیں مٹا ہے کھدا حرف بھی نگینے سے
جنوں نے چاک کیا ہو کہ پھر اس گریباں کو — نہیں ہے فائدہ ناصح اب اسکے سینے سے
جو خاص ملتے ہیں آپ سے اُنھیں ہے روا اُس کے — نہ کام مال سے مطلب نہ کچھ خزینے سے
سوا تمھارے مجھے اور سے نہیں کچھ کام — نہ تم سے غیر لگاتے ہیں آ کے کینے سے

ایسا اس قدر مجھے اس عشق نے ستایا ہے — کہ تنگ آ گیا ہوں غمگیں ہیں اپنے جینے سے

بغیر تیرے نہیں کوئی یار آنکھوں میں — پھرے ہے تو ہی تو یہ دل و نہار آنکھوں میں

مضطرب تھا دل اپنا جوں پارا — آخر اُس شوخ نے جلا مارا

شمع ترا یہ مکھڑا ہے اور دل میرا پروانہ ہے — داغ جگر پر عشق میں تیرے مثل چراغ خانہ ہے

میرے صیاد نے اک ظلم یہ ایجاد کیا — بال و پر توڑ قفس سے مجھے آزاد کیا

مرا اس عشق کی دولت سے چہرہ زعفرانی ہے — نکلتا اشک ہے آنکھوں سے ہر سو ارغوانی ہے

از مشق بسنت سنگھ نشاط خواندم سے

دل لٹک کر زلف میں اُلجھا ہے بالے کے ساتھ — جو نہ سینہ میں پھر گیا وہاں ہے وہ کیا لے کے ساتھ
جا لگا دل شاید اُس آفت کے پرکالے کے ساتھ — آگ کے شعلے نکلتے ہیں جو ہر نالے کے ساتھ
ہے تصور میں وہ قد کے دیکھ ڈانواڈول دل وہ — مست کر اتنی کھینچ اپنے چاہنے والے کے ساتھ
وادی غربت ہوا رشک بہاران گلستاں — کی ہے کاوش خار نے ہر پاؤں کے چھالے کے ساتھ

دل چل اب منظور کر سیر بہشت پنجاب ہی — مستعد چلنے پہ ہیں سرہند والے کے ساتھ
دیکھتے ہی اُسکے سوجھی مجکو سیر لامکاں — عالم بالا نظر آیا ترے بالے کے ساتھ
پیچ مت کھا حلقۂ گیسوئے مشکیں کا نشاط — ناگہانی حادثہ ہے کھیلنا کالے کے ساتھ

کوئی تڑپے ہے مارا چشم کا اور کوئی قامت کا — ترے کوچے میں ہے گرم آج ہنگامہ قیامت کا

پیامبر یہی کہیو تو ماجرا دل کا — کہ نا نوشتہ ہی بہتر ہے مدعا دل کا

جیسے چاہے ہے یہ دل وہ قیامت خوبصورت ہے — پری ہے حور ہے تصویر ہے محبوب صورت ہے

ہم تو اب تنگ پھرے ہیں وفا سے اپنے — جو کیا تم نے سو تم پاؤ خدا سے اپنے

اس دل وحشی کو کر چھوڑے گی پھر زنجیر زلف — دام تھا ہی سبزہ خط اور اب ہوئی زنجیر زلف

از انتخاب آفتاب خاں منیر خواندم ۔۔۔

ہے ہمارے یار کو اوروں سے اکثر اختلاط — ایک ہم سے ہی نہیں رکھتا ستمگر اختلاط
اس طرح دل کو محبت تجھ سے ہے اے شعلہ خو — جس طرح آتش سے رکھتا ہے سمندر اختلاط

واہ واہ اے دلبر بے مہر سرکش تو مدام — ہم پہ کرتا ہے ستم غیروں سے اکثر اختلاط
بے ترحم بے کرم بے مہر کوئی اے صنم — کس توقع پر کرے اب تجھ سے آ کر اختلاط
آتش حسرت سے ہو جاتا ہے دل جلکر کباب — اُس لب میگوں سے جب کرتا ہے ساغر اختلاط
ارہ غم سے جگر ہوتا ہے سیرا چاک چاک — کرتی ہے شانے سے جب زلف معنبر اختلاط
اُسکے ملنے سے ہوا رسوا جہاں میں اے منیر — ہم نہیں کہتے تھے تجھ کو آتو مت کر اختلاط

یار کا کچھ وصف خط کر نہ سکیگا رقم — کیسا ہی گو آپ کو آپ تراشے قلم

جی چاہتا ہے زلف کا تیری بیاں کرے — کنگھی کے دانت توڑ کے اپنی زباں کرے

مکتب میں تجھے دیکھ کے ہوش سبق ہے — ہر طفل کے یہاں اشک سے آلودہ ورق ہے

از مشق محمد مہدی خاں خواندم سے

یاد جس وقت تری آتی ہے — مجکو ہچکی وہیں لگ جاتی ہے
قدر انسان کی تب آتی ہے — جان جب اُسکی نکل جاتی ہے
بولتے مجھ سے نہیں وہ ہیہات — وصل کی شب یہ چلی جاتی ہے
غیر آتے ہیں نہیں پردہ کچھ — تجکو یہ خو تری کب بھاتی ہے

قتل کرتی ہے وہیں ہجر کی شب — جب وہ صورت مجھے دکھاتی ہے
گردش دہر سے ہوئی ہیں جان — سانگ اب دیکھیے کیا لاتی ہے

دنیا میں ہم جو آئے تو کیا کام کر چلے — ناحق ہم اپنے نام کو بدنام کر چلے

دل ہمارا جو اُس پہ مرتا ہے — کب خبر اُس کو کوئی کرتا ہے

از راجہ کدارناتھ کہ نسیم تخلص میکنند خواندم ؎

آتی ہیں یاد جس دم اُس ماہرو کی چاہیں — لیتا ہوں سانس ٹھنڈی بھرتا ہوں گرم آہیں
مشکل ہوا ہے ہم کو اب دیکھنا بھی اُس کا — اڑتی تھیں اپنی جس سے دن رات یہ نگاہیں
کیونکر نہ چین اُس بن صحبت ہو جس سے ایسی — چھاتی سے لگ کے چھاتی باہوں کے ساتھ باہیں
آسان نہیں قدم کو اُس سرزمیں میں رکھنا — ہے سخت منزل عشق اُسکی کٹھن ہیں راہیں
امید و دل ہی میں ہوگا وصال ایک دن — کب تک نسیم اُسکی فرقت میں ہم کراہیں

مسی مالیدہ دنداں یار کے یکسر چمکتے ہیں — تعجب ہے کہ تارے ابر میں کیونکر چمکتے ہیں

کیوں آپ ہم سے ناحق ان دنوں خفا ہیں — چاہت کے ہم ہیں بھوکے الفت کے آشنا ہیں

ہے جب سے چھپا ہم سے دلارام ہمارا　　پاتا ہی نہیں تب سے دل آرام ہمارا

* * *

گھٹا کیونکر نہ اب اس مہ کو گریاں سے گھیر اٹھے　　وہ برسے ایک پل پیہات دن یا سا برسا کو

* * *

گرم الفت دل ہوا اس آتش کے پرکالے کے ساتھ　　آہ سوزاں دمبدم نکلے ہے ہر نالے کے ساتھ

* * *

از راجہ شنکر ناتھ کہ صبا تخلص میفرماید خواندم ؎

بیاں کیا کیجیے جو کچھ کہ ہم پر درد و غم ہوگا　　میاں جاتے ہو تم یہاں سے عجب یہ پا الم ہوگا

تمہاری یاد میں گذریگا ہمکو رات دن روتے　　نہیں معلوم اور دل پر مرے کیا کیا ستم ہوگا

اگر تو مبتلا ہوتا کسو پر تو سمجھتا کچھ　　تری جانے بلا جو کچھ کہ مجھ پر اے صنم ہوگا

تو ہی بے رحم ہے جو تجکو رحم آتا نہیں مطلق　　جو کوئی اور دیکھیگا مجھے وہ چشم نم ہوگا

غلط سمجھا ہے تو پیارے رہے یاد کیا امکاں　　قرار اس دل کو میرے آہ تجھ بن ایکدم ہوگا

ہمیشہ داغ پر یہ داغ کھاتا ہے مرا سینہ　　کوئی دن کو جو دیکھوگے تو یہ رشک ارم ہوگا

صبا کس واسطے ہوتا ہے مضطر دل میں تو اپنے　　لکھا لایا ہے جو قسمت میں کب وہ بیش و کم ہوگا

* * *

کیا پوچھتے ہو جور و ستم تجھ سے یار کا　　دیکھو یہ حال میرے دل بیقرار کا

* * *

باغ میں جب وہ نوجوان گیا سرو کا قد پر اُس کے دھیان گیا

کوئی دم باقی تھا اُسکا سو ٹک کر رہ گیا تیغ ابرو کا تری گھائل سسک کر رہ گیا

بے سبب ہرگز نہیں ہی پیار کرنا یار کا دیکھیے ہے کیا ارادہ اُس بت عیار کا

از دیوان عالم نساکہ پنہان تخلص میکند خوانده ام ؎

اِس آہ نے ہماری آخر یہ کی رسائی ظلم و ستم وہ بھولا اور ہم سے کی صفائی
کچھ شک نہیں ہے اسمیں یہ میں سمجھ رہی ہوں ایک روز پھر کرے گا آخر وہ بیوفائی
بوسہ جو میں نے مانگا کہنے لگا وہ ہنسکر چل دور تو نے ہی ہی بکد اس کیا لگائی
یہ سُن کے آئی وحشت میں گھر سے بھاگ نکلی زنجیر پاؤں پڑ کر پھر گھر میں اپنے لائی
کہتے تھے لوگ مجکو دینا نہ دل تو پنہاں جیسا کیا تھا میں نے ویسی سزا ہے پائی

دل ہم نے دیا تھا تجھے دلدار سمجھکر تھا ہم نے لیا عشق کا آزار سمجھکر
ایسا ہے وہ ظالم کہ عیادت کو بھی گاہے آتا ہی نہیں یہاں مجھے بیمار سمجھکر
تو ایک ہی مچلا ہے کہ قائل ہیں تیرے ہم سنتا نہیں پھر بات کو یکبار سمجھکر

پہلا یہ ثمر ہیگا محبت کی شجر کا روتے ہیں جو یہ دیدۂ خونبار سمجھکر
تو عشق کے پھندے میں پھنسنا کہیں نہاں نادان نہ ہونا کبھو زنہار سمجھکر

تجھ بن تڑپ رہا ہے یہ بیمار بے طرح ہے غم سے آج دل کو سروکار بے طرح
یارب یہ درد کیا ہے کہ جسکا ہے نام عشق دل کو لگا ہے اپنے یہ آزار بے طرح
دلدار اسکو سمجھے تھے ہم خوب سوچ کر آخر کو نکلا وہ تو دل آزار بے طرح
محفل میں میں نے اسکی جو جا کر کیا گذر دیکھا تو ہے نشے میں وہ سرشار بے طرح
مذکور میں نے پھر جو کچھ اس بات کا کیا بگڑا بہت ہی مجھ سے وہ خونخوار بے طرح
یارو خدا ہی خیر کرے اُن کی جان کی تنہاں ہوئے ہیں اُنکی گرفتار بے طرح

بعد آں عرض کردم کہ شخصے از عالم نسا بفقیر اخلاص دارد و در مزاج آں شوخی کمال ست روزے چند غزل براے اصلاح فرستادہ و چند غزل ریختی ازیں جانب طلبیدہ بود بندہ ایں غزل فرستاد ؎

ملیں پیڑوں میں اٹھی وہیں مری جان گئی مت ستا مجکو دوگا نا تیرے قربان گئی
تجھ سے جب تک نہ ملی تھی مجھے کچھ غم ہی نہ تھا ہاتھ ملتی ہوں تری بات کو کیوں مان گئی

وجملہ غزل در دیوان ست در جواب ایں غزل از راہ شوخی نوشتہ فرستاد ؎

کبھو کہتا ہے تو دل اور کبھو جان گئی جھوٹی باتیں ہیں یہی جان یہ میں جان گئی

ہیجڑا پن کو ذرا چھوڑ کے مردی پکڑو — کچھ یہ بولی ہے کہ اے لو ہی مری جان گئی
جی میں کچھ اور نہ لے جائیو واری تیرے — تو تو شاعر ہے بڑا میں تجھے پہچان گئی
تیر کی طرح تری بات مرے جی کو لگی — تیری رنگینی پر ان شعروں کے قربان گئی
جان تسنیم کو تو بس اپنی ہی لونڈی رنگین — صدقے ہر دم ترے واری ترے ہر آن گئی

ہر گاہ ایں غزل نوشتہ بہ بندہ فرستاد ہماں وقت بر پشت آں در جواب نوشتہ فرستادم

کس نے لکھا تھا تجھیں ول لگیا او جان گئی — مجکو کیوں لکھتی ہو تم میں تجھے پہچان گئی
ہیجڑا مجکو تو کہتی ہو خبردار رہو — وقت پر دیکھیو نہ بس کر تجھے قربان گئی
جسکو رکھتا ہوں اسے دنیا ہوں سارا وہی خرچی — نخرا پھر کر کے میں کہتا ہوں کہ ہی جان گئی
پڑھ کے اس شعر کو تیرے تو ہوا تھا میں خفا — کچھ بھی بولی ہے کہ اے لو ہی مری جان گئی
پر وہیں یاد مجھ پڑا جب میں نے پڑھا یہ مصرع — تیری رنگینی پہ ان شعروں کے قربان گئی

از اشعار عزیز لوالفت کہ عزیز تخلص میکند خواندم

جب کہ باغ و بہار دیکھیں گے — ایک گل کیا ہزار دیکھیں گے
تم نہ دیکھو گے گو ہمیں سو بار — ہم تمھیں لاکھ بار دیکھیں گے

اس کتاب میں جن آدمیوں اور جن شہروں کا ذکر آیا ہے اُن کے نام دو فہرستوں میں حروفِ تہجی کی ترتیب کے لحاظ سے لکھے جاتے ہیں۔ شاعروں کا تخلص اُن کے نام سے زیادہ مشہور ہوتا ہے اس لیے اس فہرست میں اُن کا تخلص نام سے پہلے رکھا گیا ہے اور ترتیب میں اُن کو تخلص کے اعتبار سے جگہ دی گئی ہے۔ ہر نام کے سامنے اُن مجلسوں کا حوالہ دے دیا گیا ہے جن میں وہ نام آیا ہے۔

اسماء الرجال

اسماء البلاد